تذکرۂ خواتین

حصہ دوم

یعنی ان عورتوں کا کلام جو فارسی میں شعر کہتی تھیں

مصور درد مولانا
عبد الباری آسیؔ
الدنی

ٹائپنگ اور ابتدائی پروف ریڈنگ

اراکین اردو محفل (مرحوم)

http://urduweb.org/mehfil

ردیف الف

آرامؔ
کسی بادشاہ ہندوستان کے محلات میں سے تھیں۔ مگر گردش زمانہ کو دیکھیے اتنا مٹا دیا کہ آج یہ بھی پتا نہیں چلتا کہ وہ کون سا ذی جاہ تھا جس کے شبستان اقبال میں دل آرام جو اس نازک خیال کا نام ہے، جلوہ افروز تھی۔ بعض کا قیاس ہے کہ رنگیلے مزاج بادشاہ نورالدین جہانگیر کی حرم محترم تھیں۔ مگر یہ بات پایۂ تحقیق کو نہیں پہنچتی۔ خدا بہتر جاننے والا ہے۔ آج ہمارے سامنے صرف یہ چند شعر موجود ہیں جو نقل کئے جاتے ہیں۔

محو از دل خود ساز ہمہ نقش عدم را
منزل گہ اغیار مکن فرش حرم را
سرمایۂ عقبیٰ بکف آور کہ مبادا
تقدیر کشد بر سر تو تیغ دودم را
بآہ و نالہ کردم صید خود وحشی نگاہاں را
بزور جذب کردم رام باخود کجکلاہاں را
بہ پوشیدم سحر گہ چوں لباس بیریائی را
گرو کردم بجام مے لباس پارسائی را
شدم ہمدم بہ میخواران بہ خلوت خانۂ حیرت
شکستم ساغر و پیمانۂ زہد ریائی را
گرفتم دامن صحرا شدم ہم پیشۂ مجنوں
سبق آموز گشتم دین عشق بینوائی را

ترجمہ (ا)
اپنے دل سے تمام نقش عدم مٹا دے۔ فرش حرم کو دوسروں یا غیروں کے رہنے کی جگہ نہ بنا۔
اسی مضمون کا ایک شعر تذکرۂ خزانہ عامرۂ مولفہ مولانا غلام علی آزاد میں ایک مرتبہ دیکھا تھا جو اب تک یاد ہے۔

غیر حق را مید ہی رہ در حریم دل چرا
میکنی بیگانہ را مہمان این من زل چرا

ترجمہ
(1) غیر حق کو راہ دیتا ہے حریم دل میں کیوں
کرتا ہے بیگانہ کو مہمان اس منزل میں کیوں

(2)عقبیٰ کا سرمایہ حاصل کر کہیں ایسا نہ ہو کہ قضا تیرے سر پر تیز تلوار کھینچ لے۔
(3) میں نے آہ و نالہ کر کے وحشی نگاہوں کو اپنا شکار کر لیا۔ اپنے جذب کے زور سے میں نے ٹیڑھی ٹوپی والے معشوقوں کو اپنا تابعدار کر لیا۔
(4) صبح کے وقت جب میں نے بے ریائی کی شراب پی تو ایک جام مے کے بدلے اپنے جامۂ پارسائی کو گرو کر دیا۔
(5) دل میں حیرت کے خلوت خانہ میں شرابیوں کا ہمدم ہو گیا اور زہد کے ساغر اور پیمانۂ ریائی کو توڑ ڈالا۔
(6) میں جنگل میں نکل گیا اور مجنوں کا ہم پیشہ ہو گیا۔ اور بینوائی کے عشق کا سبق پڑھانے والا ہو گیا۔

آرزوی
سمرقند کی رہنے والی ایک شاعرہ تھی تذکر مرأۃالخیال سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت حسین اور صاحب جمال تھی۔ شعر نہایت عمدہ کہتی تھی۔ اکثر نازک نازک مضامین نظم کرتی تھی اور معاصرین سے خراج تحسین وصول کرتی تھی۔ اس کا یہ مطلع نہایت مشہور ہے۔
شدیم خاک رہت گر بدرد ما نرسی
چناں رویم کہ دیگر بگرد ما نرسی

ترجمہ۔ ہم تیری راہ میں خاک ہو گئے ہیں اگر تو ہمارے درد کو نہ پہنچا تو ہم ایسے جائیں گے کہ پھر تو ہماری گرد کو بھی نہ پہنچ سکے گا۔
ماند داغ عشق او بر جانم از ہر آرزو
آرزو و سوزست عشق و من سراسر آرزو

ترجمہ۔ تمام آرزوؤں کے فنا ہونے پر اس کے عشق کا داغ میری جان پر رہ گیا ہے۔ عشق آرزو سوز ہے اور میں سراپا آرزو ہوں۔

آغا باجی
فتح علی شاہ قاچار گزشتہ شاہ ایران کی حرم محترم تھیں۔ شعر کہتی تھیں اور خوب کہتی تھیں۔ چند شعر جو مجھے ملے درج کرتا ہوں۔
خرم آں کو بہ سر کوئے تو جائے دارد
کہ سر کوئے تو خوش آب و ہوائے دارد
بسفر رفت و دلم شد جرس ناقۂ او
رسم انیست کہ ہر ناقہ ورائے دارد
سوختم از آتش غم ناصحا تا کے زمنع
میزنی بر آتشم دامن برو خاموش باش
تا حشر نویسند اگر می نہ شود طے
نے دفتر حسن تو نہ طومار فراقم

ترجمہ (1) وہ بڑا اچھا جو تیری گلی میں رہتا ہے۔ کیونکہ تیری گلی کی آب و ہوا بڑی اچھی ہے۔
(2) میرا معشوق سفر میں گیا اور میرا دل اس کے ناقہ کا جرس بن کر اس کے ساتھ گیا ہے۔ کیوں نہ ہو، یہ رسم ہے ہر ناقہ کے

ساتھ جرس ہوا کرتا ہے۔
(3) میں غم کی آگ سے جل گیا۔ اے ناصح تو کب تک منع کر کر کے میری آگ کو بھڑکائے گا۔ بس بہتر یہی ہے کہ جا خاموش رہ۔
(4) اگر حشر تک لکھتے رہیں تو بھی لکھا نہ جائے گا۔ نہ تیرے حسن کا دفتر اور نہ میری جدائی کا طومار۔

آغا کوچک
سیف اللہ مرزا قاچار کی صبیہ تھی۔ کبھی کبھی شعر کہتی تھی۔ یہ رباعی اسی کی ہے۔

گویند بہشت و حور و کوثر باقی است
در روز جزا دوزخ و محشر باقی است
دوزخ چہ بود بغض علی و آلش
جنت بہ محبت پیمبر باقی است

ترجمہ (1) کہتے ہیں کہ بہشت اور حور اور کوثر باقی رہیں گے۔ روز جزا میں دوزخ اور محشر باقی رہیں گے۔
(2) دوزخ کیا چیز ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور آپ کی اولاد امجاد سے بغض رکھنا۔ اور جنت پیغمبر کی محبت کی وجہ سے باقی ہے۔

آقا بیگہ اباق
سلطان حسین جس کی علم دوستی شہرۂ آفاق تھی اور جس کے امرا میں امیر علی شیر ایک علم پرور دوست امیر تھا۔ اسی کے زمانہ میں یہ شاعرہ شہر ہرات میں رہتی تھی۔ نہایت متمول اور ذی رتبہ تھی۔ خاص و عام کی حاجت برآری اس کا شعار تھا۔ تمام سامان ظاہری اور جائداد و املاک اس کے پاس تھی۔ بڑے بڑے ادیبوں اور فاضلوں کا مجمع رہتا تھا اور اس نے اپنی علو ہمتی سے سب کے وظائف اور تنخواہیں مقرر کر رکھی تھیں۔ چنانچہ خواجہ آصفی کی بھی تنخواہ مقرر تھی۔ یہ اس زمانہ کے ایک مشہور و معروف شاعر تھے۔ ایک مرتبہ اتفاق سے ان کی تنخواہ پہنچنے میں کچھ دیر ہو گئی۔ انہوں نے کچھ دن انتظار کیا۔ جب انتظار سے کوئی کام نہ چلا تو یہ قطعہ آقا بیگہ کو لکھ بھیجا۔

ایا عروس خطا بخش جرم پوش بگو
کہ کے وظیفۂ مارا قرار خواہی داد
بوقت غلہ مرا گفتۂ کہ باز دہم
سرم فدائے درت چند بار خواہی داد

ترجمہ۔ اے خطا بخش اور جرم پوش دلہن یہ بتا کہ ہمارا وظیفہ کب قرار دے گی۔ تو نے غلہ دیتے وقت کہا تھا کہ پھر دیا جائے گا۔ میں تیرے قربان کتنے مرتبہ تو دے گی۔
آقا بیگہ یہ قطعہ پڑھ کر ہنسی اور وظیفہ مقرر معہ کچھ زائد سامان وغیرہ کے
بھیج دیا۔ آقا بیگہ کا دیوان اگرچہ بڑا ہو گا۔ اور ظاہر ہے کہ اس قدر شاعر دوست شاعرہ خود بھی کیسی باکمال ہو گی مگر افسوس کہ آج ان کے چند اشعار کے سوا اور اس کے کلام کا پتا نہیں۔

آہ
نسب نامہ دولت کیقباد
ورق بر ورق بردہر سوئے باد

شعر یہ ہیں۔
آوازاں دامے کہ دارد رشتۂ جاں تاب ازو

و اے بر لعلے کہ ہر دم میخورد خونآب ازو
نتواں دید رخ خوب ترا ماہ بماہ
زانکہ آساں نتواں کرد بخورشید نگا

ترجمہ۔ ہائے فریاد ہے اس جال سے جس سے میرا رشتہ جاں امٹھا جاتا ہے۔ افسوس ہے اس لب سے کہ ہر وقت شراب اس سے اپنا خون پیتی ہے۔
(2) تیرے خوب صورت رخسارہ کو ماہ بماہ نہیں دیکھا جا سکتا۔ اس واسطے کہ آفتاب کو آسانی سے نہیں دیکھ سکتے۔

آقا دوست۔
قیام درویشن کی لڑکی تھی سبزوار کی رہنے والی تھی۔ نہایت فاضل تھی۔ خصوصیت سے علم عروض و قوافی میں بہت کامل دستگاہ حاصل تھی۔ آج صرف چند شعر اس سے یادگار ہیں۔

ز آشنائی تو عاقبت جدائی بود
فغاں کہ با تو مرا ایں چہ آشنائی بود

ریختہ صفحہ 188 کتاب 188

ہر کجا آں مہ بآں زلف پریشاں بگزرد
ہر کہ کفر زلف او بیند زایماں بگزرد
اے محباں بوالعجب دردیست درد عاشقی
ہر کہ دامن گیرد ایں دردش زدرماں بگزرد
در فراقش دوستی گرید چو ابر نو بہار
گریۂ رازش چو بیند ابر گریاں بگزرد

ترجمہ (1) تیری دوستی کا نتیجہ آخر جدائی تھا۔ ہائے دہائی ہے میری تیرے ساتھ یہ کیا اور کیسی آشنائی تھی۔
(2) جہاں کہیں میرا معشوق اپنی زلف پریشاں کئے ہوئے گزرتا ہے جو اس کی زلف کے کفر کو دیکھتا ہے۔ ایمان کو چھوڑ دیتا ہے۔
(3) اے دوستو عاشقی کا درد عجب درد ہے۔ یہ درد جس کا دامن پکڑ لیتا ہے وہ علاج سے درگزرتا ہے۔
(4) جو کوئی عاشق ہوا پھر سر و سامان کی امید نہ رکھو۔ کیونکہ عاشق اپنے سر اور سامان کو چھوڑ دیتا ہے۔
(5) اس کی جدائی میں جو دوست ابر نوبہار کی طرح روتا ہے۔ تو جب اس کا رونا دیکھتا ہے تو ابر بھی روتا ہوا گزرتا ہے۔
***

ردیف ب
بزرگی
کشمیر جنت نظیر کے خطہ کی رہنے والی ایک طوائف تھی۔ گانے بجانے میں مشاق اور دلربائی میں شہرۂ آفاقی تھی۔ آخر میں خدائے کریم نے ہدایت دی اور تمام منہیات سے توبہ کر کے گوشۂ قناعت اختیار کیا۔ دروازہ بند کئے رہتی تھی اور کوئی شخص آنے نہ پاتا تھا۔ عہد جہانگیر میں زندہ تھی۔ ایک شعر اس کا ملتا ہے جو درج کرتا ہوں۔
مو بمو در نالہ ام گوئی کہ استاد ازل
رشتۂ جانم بجائے تار در طنبور بست

ترجمہ۔ میں سر بسر نالہ و زاری بنی ہوئی ہوں۔ گویا کہ استاد ازل نے میرے رشتۂ جاں کو بجائے تار کے طنبور میں باندھا ہے۔

بلیغہ۔
شیراز کی رہنے والی نہایت طلیق اللسان اور فصیح البیان شاعرہ تھی۔ یہ مطلع اسی کا ہے۔
شب سگ کویت بہر جائیکہ پہلو میزند
روز خورشید آں زمیں را بوسہ بر رو میزند

ترجمہ۔ رات کو تیری گلی کا کتا جس جگہ کہ پہلو رکھتا ہے صبح کے وقت سورج اس زمین کے بوسے لیتا ہے۔

بیدلی۔
یہ شاعرہ ہرات کی رہنے والی خواجہ عبد اللہ کی بیوی تھی۔ خواجہ عبد اللہ ہرات کا رہنے والا خواجہ حکیم کا بیٹا تھا۔ مشہور و معروف آدمی تھا۔ اس شاعرہ کا صرف ایک مطلع اب یادگار ہے۔
روم بہ باغ و زنرگس دو دیدہ وام کنم
کہ تا نظارہ آں سرو خوش خرام کنم

ترجمہ۔ میں باغ میں جاؤں اور جا کر نرگس سے دو آنکھیں قرض لوں۔ تاکہ اس سرو خوش خرام کو دیکھ سکوں۔

بیدلی۔
ناچنے گانے میں مہارت تامہ رکھتی تھی۔ ایران کے ایک قصبہ خیاباں کی رہنے والی تھی۔ ایک شعر اس کی نغمہ سنجی کا یادگار ہے۔
چشم پر خوں و خیال خام آں دلبر درو
مجمر پر آتش است و پارۂ عنبر درو

ترجمہ۔ میری آنکھ میں خون بھرا ہوا ہے۔ اور اس دلبر کا خیال خام اس میں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے آگ بھری ہوئی انگیٹھی میں عنبر کا ٹکڑا کوئی ڈال دیتا ہے۔

بیگی۔
تخلص ہے اور آقا بیگی نام تھا۔ اباق جلائز شاید کوئی معزز خطاب یا نسبی لقب نام کے ساتھ شامل تھا۔ امیر علی جلایر کی بیٹی تھی۔ امیر درویش علی کتاب وار حاکم قبۃ الاسلام بلخ برادر امیر نظام الدین علی شیر کی اہلیہ تھی۔ ہرات میں نہایت عزت و حشمت کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی۔ سلطان حسین بہادر خاں کے مقرباں خاص میں تھی۔ خود بھی شعرائے معاصر کے وظیفے اور تنخواہیں مقرر کر رکھی تھیں۔ اس کی یہ رباعی ملتی ہے۔

آبے کہ فلک بلب چکاند مارا
سر گشتہ بہ بحر و بر دواند مارا
اے کاش بہ منزلے رساند مارا
کزہستی خود باز رہاند مارا

ترجمہ (1) آسمان وہ پانی جو ہمارے لبوں پر ٹپکاتا ہے۔ ہم کو سرگشتہ کر کے جنگلوں اور دریاؤں میں پھراتا ہے۔
(2) کاش ہم کو ایسی جگہ پہنچا دے کہ ہم اپنی ہستی سے چھوٹ جائیں۔
بیگی کبھی کبھی شراب بھی پیا کرتی تھی۔ مگر ایک وقت آیا کہ وہ خود متنبہ ہو گئی۔ اور شراب خوری سے توبہ کر لی۔ ایک مرتبہ مرزا بدیع الزماں کی مجلس عیش و سرور گرم تھی۔ بیگی بھی وہاں موجود تھی۔ شراب کا دور چل رہا تھا۔ بدیع الزماں شراب پی رہے تھے مگر بیگی خاموش تھی۔ اسی وقت یہ مطلع نظم کر کے میرزائے مذکور کو سنایا۔

من اگر توبہ زمے کردہ ام اے سرو سہی
تو خود ایں توبہ نہ کر دی کہ مرا مے نہ دہی

اسی شعر کا گویا مرزا غالب نے ترجمہ کیا ہے۔
میں اور بزم مے سے یوں تشنہ کام آؤں
گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا

بنت۔
حسام الدین سالار کی صبیہ تھی۔ شاہ عباس صفوی کے زمانہ کی ایک مشہور شاعرہ نغز گفتار تھی۔ دو شعر اس سے یادگار ہیں جو درج کئے جاتے ہیں۔ باقی کلام ضائع ہو گیا۔ نہیں ملتا
روزیکہ طرب بالب و خال تو کنیم
جاں تازہ بفرخندہ جمال تو کنیم
ایں جرم کہ زندہ ماندہ ام بے رخ تو
در گردن امید وصال تو کنیم

ترجمہ (1) جس روز کہ تیرے لب اور خال کے دیکھنے سے خوشی ہو گی۔ ہم تیرے جمال کو دیکھ کر اپنی جان کو تازہ کریں گے۔
(2) یہ جرم کہ ہم بغیر تیرے دیکھے زندہ رہے۔ تیری امید وصل کے سر ڈالیں گے۔

بنو بیگم
دہلی کی رہنے والی تھی۔ نہایت ذکی اور ذہین تھی۔ نہایت رنگین شعر کہتی تھی۔ ایک یہ شعر اس سے یادگار ہے۔
گر میسر شود آں روئے چو خورشید مرا
بادشاہی چہ کہ دعویٰ خدائی نکنم

***

ردیف بائے فارسی

پری بیگم۔
نیشا پور کی رہنے والی تھی کلام نہایت مست ہوتا تھا۔ ایک ہی شعر تذکرۂ اختر تاباں سے مل سکا جو درج ہے۔
سراسر جانی اے باد صبا در قالب شوقم
سرت گردم مگر در کوے او بسیار میگردی

ترجمہ۔ اے باد صبا میرے قالب شوق میں تو سراسر جان معلوم ہوتی ہے۔ میں تیرے قربان جاؤں شاید تو اس کی گلی میں بہت چکر لگاتی ہے۔
***

ردیف تائے فوقانی

تصویر۔

مرشد آباد کی رہنے والی تھی۔ بلقیس خانم نام تھا۔ اردو کی شاعرہ تھی۔ میر جوشش عظیم آبادی نے مصنف تذکرہ اختر تاباں سے بیان کیا کہ اگرچہ یہ صرف اردو شعر کہتی تھی مگر ایک یہ شعر فارسی بھی اسی کا ہے۔

فتنہ زائی منت شناختہ ام
بد بلائی منت شناختہ ام

ترجمہ۔ تو بڑا فتنہ پرداز ہے میں نے تجھے خوب سمجھ لیا ہے۔ تو بڑا ہی بدلا ہے میں نے تجھے پہچان لیا ہے۔
میر جوشش کا بیان ہے کہ ایک روز یہ اپنے بچہ کو گود میں لئے گھر کے صحن میں کھڑی تھی اور کھلا رہی تھی۔ میر عشق جو اس کے شوہر تھے باہر سے آئے اور اس حال میں اس کو دیکھ کر یہ مصرع پڑھا

دیدم بدوش آں مہ طفلے پری نژزادے

تصویر سے رہا نہ گیا اور فوراً دوسرا مصرع لگا کر شوہر کے سامنے پڑھا۔ عجیب و غریب مصرع کہا ہے۔
چو مصرعے کہ باشد پیوند مستزادے

توتی۔
ایک ایرانی پردہ نشین خاتون کا تخلص تھا۔ مرزا کمال الدین سنجر قزوینی مرزا سپہر لسان الملک مولف ناسخ التواریخ کی زبانی صاحب تذکرۂ اختر تاباں یہ نقل کرتے ہیں کہ توتی کے شوہر امرد پرست ایرانی مذاق کے بزرگ تھے۔ ایک لڑکے پر ایسے فریفتہ تھے کہ بیچاری توتی کی طرف کبھی ملتفت ہی نہ ہوتے تھے۔ توتی اپنے شوہر کی اس نامعقول حرکت سے عاجز تھی۔ ایک دن جان پر کھیل کر یہ رباعی کہی اور شوہر کے حوالے کی۔
آں شوخ کہ ہست حسن عالمگیرش
یا رب چہ شود شبے بخوابم زیرش
اے خواجہ بیا تا من و تو صلح کنیم
تو با۔ ۔ نش بساز و من با۔ ۔ ش

شوہر کے دل پر یہ رباعی سن کر ایک چوٹ لگی۔ سخت متنبہ ہوا اور اسی دن سے اپنی بدنما حرکت کو چھوڑ کر توتی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اور عمر بھر ایسی خلاف فطرت حرکت سے مجتنب رہا۔

تون آتواں۔
ملا بقائی کی بیوی تھی۔ ملا بقائی امیر علی شیر کا مصاحب اور مقرب تھا۔ نہایت ظریف اور بذلہ سنج آدمی تھا۔ میاں بیوی میں اکثر مشاعرہ ہوا کرتا تھا۔ اور ایک دوسرے پر چوٹیں چلا کرتے تھے۔ ایک دن بقائی نے یہ رباعی کہی اور چھیڑ کے لئے تونی آتواں کے روبرو پڑھی۔
یاراں ستم پیرہ زنے کشت مرا
کاواک شدہ چونے از و پشت مرا
گر پشت بسوئے او دمے خواب کنم
بیدار کند بضرب انگشت مرا

ترجمہ (1) یارو مجھے ایک بڑھیا عورت کے ستم نے مار ڈالا۔ میری کمر نے کی طرح اس کی وجہ سے خالی ہو گئی ہے۔
(2) اگر دم بھر اس کی طرف پشت کر کے لیٹتا ہوں تو انگلی کے ٹھوکے دے دے کر مجھے جگا دیتی ہے۔
حاضر جواب تونی آتواں بھلا کب چوکنے والی تھی۔ فوراً اس نے جواب دیا۔
ہم خوابگی سست رگے کشت مرا
روزی نبود از و بجز پشت مرا

قوت نہ چنانکہ پا تواند برداشت
بہتر بود از پشت دو صد مشت مرا

ترجمہ (1) ایک عنیں نامرد کے پاس سونے نے مجھے مار ڈالا۔ سوائے پیٹھ کے اور کچھ مجھے اس سے روزی نہیں۔
(2) اتنی بھی قوت نہیں کہ پاؤں اٹھا سکے۔ پشت سے تو میرے لئے دو سو گھونسے بہتر ہیں۔
مگر جواہر العجائب میں یہ رباعی یوں درج ہے۔
مُلا ہمہ ناز و غمزہ ات کشت مرا
تا چند زنی طعنہ بانگشت مرا
شبہا ہمہ پشت سوے من خواب کنی
بگزار کہ دل گرفت از پشت مرا

ترجمہ (1) مُلّا تیرے ناز و غمزہ نے مجھے مار ڈالا۔ کب تک انگلی مٹکا مٹکا کر مجھے طعنے دے گا۔
(2) راتوں کو تو میری طرف پشت پھر کر سوتا ہے۔ بس ہٹ اس پشت سے میں عاجز ہو گئی۔ میرا جی بھر گیا۔
***

ردیف جیم

جاناں بیگم
عبد الرحیم خانخانان کی لڑکی تھی۔ نہایت حسین و خوبصورت ذکی اور ذہین تھی۔ جہانگیر نے جب اس کے حسن عالمگیر کا شہر سنا تو نادیدہ عاشق ہو گیا اور منگنی کا پیام دیا۔ مگر خانخاناں کو یہ منظور نہ تھا۔ اس واسطے وہ بہت رنجیدہ ہوا اور لڑکی کے دانت اکھڑوا اور سر منڈوا کر دربار میں حاضر کر دیا۔ بادشاہ کو بے حد افسوس ہوا۔ اور انعام و اکرام دے کر رخصت کر دیا۔ 1070ھ میں انتقال کیا۔ یہ شعر اسی کا ہے۔
عاشق زخلق عشق تو پنہاں چہ ساں کند
پیداست از دو چشم ترش خوں گریستن

ترجمہ۔ عاشق دنیا سے تیرا عشق کیونکر چھپائے۔ اس کی دونوں چشم تر سے خون رونا ظاہر ہوتا ہے۔

جمیلہ
صفاہاں کی رہنے والی ایک خوش فکر عورت تھی۔ صرف ایک شعر اس سے یادگار ہے۔
جز خار غم نرست زگلزار بخت ما
آنہم خلید در جگر لخت لخت ما

ترجمہ۔ ہمارے نصیبہ کے باغ میں غم کے خار کے سوا اور کچھ اگا ہی نہیں اور وہ کانٹا بھی ہمارے ہی جگر لخت لخت میں چبھا۔
جہاں آرا بیگم
ہندوستان کے مشہور و معروف بادشاہ شاہجہاں کی بیٹی اور اورنگ زیب عالمگیر کی حقیقی بہن تھی۔ یہ عفیفہ ممتاز محل نامور بیگم کے بطن سے بتاریخ 21 صفر المظفر 1032 ھ مطابق یکم اپریل 1614ء ایسے وقت میں پیدا ہوئی جبکہ اس کا نامور باپ شاہجہاں شاہزادۂ خرم کی حیثیت سے رانا امر سنگھ والیِ اودے پورے سے حکم شاہی کی بموجب معرکہ آرا تھا۔ جس وقت جہاں آرا پیدا ہوئی وہی زمانہ شاہجہاں کی فتح اور کامیابی کا تھا۔ اس مولود کو سب نے نہایت مسعود خیال کیا اور نہایت خوشیاں منائی گئیں اور اس کو اس کے دادا شاہنشاہ نورالدین جہانگیر کے پاس بھیج دیا گیا۔ سن شعور پر پہنچتے ہی اس کی تعلیم و تربیت شروع ہوئی اور نہایت اعلیٰ پیمانہ پر تعلیم دلائی گئی۔ جہاں آرا علم عربی فارسی اور حفظ و قرآن قرأت و تجوید خوشنویسی وغیرہ وغیرہ ہر ایک بات سے بخوبی بہرہ مند تھی۔ 1037 ھ میں جہاں آرا کی عمر تقریباً 14 برس کی تھی یہی وہ سال ہے کہ

شاہجہاں تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا۔ جہاں آرا نے بھی ہدایا کے طریق پر نذر و نیاز پیش کئے جس کے جلدو اور صلہ میں شاہجہاں نے تقریباً 20 لاکھ روپیہ کے زیورات اس کو عطا کئے۔
جب 1040 ھ مطابق 1631ء میں ممتاز محل راہی ملک بقا ہوئی تو شاہجہاں نے از راہ عنایت وہ اختیارات جو اس کو حاصل تھے جہاں آرا کے سپرد کر دئے۔
جہاں آرا بیگم کو کتب اخلاق و تصوف سے بہت گہری دلچسپی تھی۔ وہ اپنا زیادہ وقت قرآن شریف کی تلاوت میں صرف کیا کرتی تھی۔ باقی وقت خانگی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں صرف ہوتا تھا۔ یکا یک 1054 ھ مطابق 1644ء کو جب حرم شاہی میں ایک جشن نہایت تزک و احتشام سے کیا گیا تھا تو اتفاقاً ایک موم بتی سے اس کے آنچل میں آگ لگ گئی جس سے زخمی ہو کر عرصہ تک بیمار رہی۔ اچھے ہونے پر بادشاہ نے اس کو بہت سے انعامات شاہی سے سرفراز کیا۔ جس کی تفصیل اس کی خاص سوانح عمری میں موجود ہے۔ جب شاہ جہاں نظر بند ہوا تو عین حیات تک جہاں آرا اس کی خدمت میں مشغول رہی بلکہ اور بھی عجیب و غریب کام جو اس نے کیا وہ یہ تھا کہ عالمگیر کے لئے شاہجہاں سے اس کے قصوروں کا معافی نامہ لکھوایا۔ اورنگ زیب کی تخت نشینی پر بھی اس کا اعزاز وہی رہا جو شاہجہاں کے سامنے تھا۔ خود عالمگیر نے بھی اس کو تنزہ نقاب بیگم خطاب دیا اور ایک لاکھ اشرفیاں مرحمت کیں۔ اس کے بعد زندگی بھر جہاں آرا نہایت معزز طریقہ سے بسر کرتی رہی اور عالمگیر کی مصاحب خاص اور مشیر کی حیثیت سے رہی۔ 1092 ھ مطابق 16 اپریل 1681ء میں ستر برس کی عمر میں جہاں آرا نے وفات پائی اور دہلی میں حضرت امیر خسرو رح کے مزار کے قریب مدفون ہوئی۔ اس کا مقبرہ سفید سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ گرداگرد کی جالیاں بے حد نفاست سے کاٹی گئی ہیں۔ اس پر کوئی چھت نہیں ہے اور اس طرح سے گویا آسمانی برکات اس پر ہمیشہ بعد مرگ بھی نازل ہوتے ہیں۔ اس کے لوح مزار پر خود اسی کا یہ شعر لکھا ہوا ہے۔
هو الحيی القيوم
بغیر سبزہ نہ پوشد کسے مزار مرا
کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

جہاں آرا نہایت نیک مزاج متدین اور پارسا تھی۔ صوفیائے کرام کے ملفوظات سے اسے بہت شوق تھا۔ اس نے اپنی شادی نہیں کی۔ مگر عمر بھر نہایت پارسائی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اگرچہ مغربی مصنفوں نے اس کے شادی نہ کرنے کی بنا پر اس پر بہت سے الزام لگائے ہیں مگر ان میں تعصب کے سوا اور کوئی اصلیت نہیں۔
وہ نہایت علم دوست تھی۔ اس کو لغویات سے نفرت قطعی تھی۔ شعر و شاعری سے کمال دلچسپی رکھتی تھی۔ نثر میں اس کی تصنیف مونس الارواح ہے۔ اس نے اپنا سیاحت نامہ بھی مرتب کیا ہے۔ مشہور ہے کہ اس نے ایک مثنوی بھی لکھی مگر وہ مل نہیں سکتی۔ اور اب تقریباً ناپید ہے۔ بہ یقین یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا دیوان غزلیات مرتب ہوا تھا یا نہیں مگر چند شعر اب بھی یادگار ہیں جو درج کرتا ہوں۔
رباعی
آنجا کہ کمال کبریاے تو بود
عالم نمے از بحر عطائے تو بود
مارا چہ حد حمد و ثنائے تو بود
ہم حمد و ثنائے تو سزاے تو بود

ترجمہ (1) جہاں کہ تیری کمال کبریائی ہو۔ تمام عالم اس کے دریائے بخشش سے ایک کم ہے۔
(2) ہم کو تیری حمد اور ثنا کی کیا مجال ہے۔ بس تیری حمد و ثنا تیری ہی حمد و ثنا کی لائق ہے۔
اے بو صفت بیان ما ہمہ ہیچ
ہمہ آن تو آن ما ہمہ ہیچ
ہر چہ بیند ما ہمہ نقص
ہر چہ گوید زبان ماہمہ ہیچ
ما بہ کنہ حقیقت نرسیم
اے یقین و گماں ما ہمہ ہیچ

ترجمہ (1) اے وہ ذات کے تیرے وصف میں ہمارا بیان بے کار ہے۔ تمام تیری ملک سے ہے اور ہماری ملک کچھ نہیں۔

(2) جو کچھ ہمارا خیال دیکھتا ہے وہ سب نقصان ہیں۔ اور جو ہماری زبان کہتی ہے وہ سب ہیچ ہے۔
(3) ہم تیری کنہ حقیقت کو نہیں پہنچ سکتے یعنی ہمارا یقین اور گمان سب ہیچ ہیں۔
شاہجہاں کے انتقال پر جہاں آرا نے یہ پردرد مرثیہ کہا۔

اے آفتاب من کہ شدی غایب از نظر
آیا شب فراق ترا ہم بود سحر
اے بادشاہ عالم و اے قبلۂ جہاں
بکشاے چشم رحمت و برحال من نگر
حالم چنیں زغصہ دما دم بود بدست
سوزم چو شمع در غم و دودم ور زسر

جہاں آرا کے دربار سے اکثر نامی شعراء انعام و اکرام پاتے رہتے تھے اور بقدر لیاقت سب اس کے جود و کرم سے بہرہ مند تھے۔ چنانچہ محمد علی ماہر اکبر آبادی نے جہاں آرا کی تعریف میں مثنوی کہی اور پیش کی۔ تو صرف اس شعر کے صلے میں اس فیاض اور سخن فہم ملکہ نے پانچ سو روپے انعام دیے۔
بہ ذات او صفات کردگار است
کہ خود پنہاں و فیضش آشکار است

ترجمہ۔ اس کی ذات میں صفات خداوندی پائی جاتی ہیں۔ یعنی وہ خود چھپی ہوئی ہے اور اس کا فیض ظاہر ہے۔
ایسے ہی ایک مرتبہ جہاں آرا بیگم باغ کی سیر کے لئے نکلی تو میر صیدی طہرانی نے یہ مشہور مطلع کہا۔
برقعہ برخ افگندہ برد ناز بہ باغش
تا نگہت گل بیختہ آید بہ دماغش

ترجمہ۔ ناز اس کو برقع پہنا کر باغ میں اس لئے لے جاتا ہے تاکہ پھول کی خوشبو چھن چھن کر اس کے دماغ میں آئے۔
بیگم نے شعر کو بہت پسند کیا۔ مگر اس شوخی پر بے حد غصہ آیا۔ حکم دیا کہ شاعر کو کشاں کشاں سامنے لاؤ۔ چنانچہ میاں صیدی پکڑے گئے اور سامنے لائے گئے۔ بار بار مطلع سنا اور پانچ ہزار انعام دے کر شہر بدر ہونے کا حکم دے دیا۔
ایسے ہی ملک الشعراء حاجی محمد جان موسی قدسی نے جہاں آرا کے جل جانے کے متعلق ایک قصیدہ لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ بادشاہی انعام جو کچھ ملا ہو مگر خود جہاں آرا نے پانچ ہزار روپے اس شعر کے صلے میں دیے۔
تا سرزدہ از شمع چنیں بے ادبی
پروانہ زعشق شمع را سوختہ است

ترجمہ۔ جب سے کہ شمع سے یہ بے ادبی ہوئی ہے۔ پروانہ نے عشق سے شمع کو جلایا ہے۔

جہاں خاتون
شیراز کی رہنے والی تھی۔ نہایت عمدہ شعر کہتی تھی۔ حافظ شیرازی کی معاصر تھی۔ اکثر دونوں میں باہم شاعرانہ ملاقات ہوا کرتی تھی۔ ایک دن ملاقات کے لئے گئی تھی کہ خواجہ نے اپنی یہ غزل پڑھ کر جہاں خاتون کو سنائی۔
دردم از یار ست و درماں نیزہم
دل فدائے او شد و جاں نیزہم

پڑھتے پڑھتے جب اس شعر پر پہنچے۔
اعتمادے نیست برکار جہاں
بلکہ بر گردوں گرداں نیزہم

جہاں خاتون نے یہ صوفیانہ شعر سن کر فی البدیہہ یہ شعر کہا۔
حافظاؔ ایں مئی پرستی تابہ کے
مے زتو بیزار و مستاں نیزہم

ترجمہ۔ اے حافظ یہ شراب خوری کب تک۔ تجھ سے شراب بھی بیزار ہے اور شراب خور بھی۔ یہ شعر بھی جہاں خاتون کا ہے۔
مصورے است کہ صورت زآب میسازد
زذرہ ذرۂ خاک آفتاب می سازد

ترجمہ۔ ایسا مصور ہے کہ پانی سے صورتیں بناتا ہے اور ایک ایک ذرہ سے آفتاب بناتا ہے۔
جہاں خانم
ناصرالدین شاہ قاچار کی والدہ کا نام تھا۔ بر طریق تفنن طبع کبھی کبھی شعر و شاعری کی طرف متوجہ ہوتی تھیں۔ اور جو کچھ کہتی تھیں خوب کہتی تھیں۔ کیوں نہ ہو ایک تو اہل زبان اور پھر بادشاہ وقت۔ پھر اگر اچھا شعر نہ کہتیں تو اور کون کہتا۔ مگر افسوس کہ کلام اس وقت دستیاب نہیں ہوتا۔ مجبوراً دو شعر جو اخلاقی درجہ رکھتے ہیں، لکھے دیتا ہوں۔
از مرد و زن آنکہ ہوش مند است
اندر ہمہ حال سر بلند است

بیدانش اگر زنست و گر مرد
باشد بمثل چو خار خار بے ورد

ترجمہ (1) مرد اور عورتوں میں سے جو عقل مند ہے۔ وہ ہر حال میں سر بلند ہے۔
(2) بے عقل خواہ عورت ہو یا مرد ہو وہ بے کار اس کانٹے کی طرح ہے جس کے پاس گلاب نہیں ہے۔
جہانی۔
دہلی کی رہنے والی تھی۔ نہایت عمدہ شعر کہتی تھی۔ اب ایک شعر یادگار ہے۔
گل و باغ و رخ آن غنچہ دہن ہر دو یکے است
قدر عنائے وے و سر و چمن ہر یکے است

ترجمہ۔ باغ کے پھول اور اس غنچہ دہن کے رخسار دونوں ایک ہیں۔ اس کا قدر عنا اور سرو چمن دونوں ایک ہیں۔***

ردیف حاء حؔطی

حاکمی۔
یہی تخلص تھا اور غالباً یہی نام تھا۔ شہر خواف کی حاکم تھی۔ کبھی کبھی فکر سخن کرتی تھی۔
کماں ابروئے من فکر من زار بلاکش کن
فگن در سینہ ام تیرے و پیکانش در آتش کن

ترجمہ۔ اے میرے کمان ابرو مجھ ناتوان بلاکش کے لئے کچھ فکر کر۔ میرے سینہ پر ایک تیر لگا اور اس کا پیکان آگ میں گرم کر لے۔
حجابی۔
استر آباد کی رہنے والی۔ خواجہ ہادی کی لڑکی تھی۔ نہایت حسین اور صاحب جمال تھی اور اس قدر عفت مآب تھی کہ خلوت و جلوت میں منہ پر نقاب ڈالے رہتی تھی۔ اسی مناسبت کی وجہ سے اس کا تخلص حجابیؔ ہوا تھا۔ ایک شعر اس سے یادگار ہے جو تذکرۂ مرأۃ الخیال سے لکھا جاتا ہے۔
مہ جمال تو و آفتاب ہر دو یکے است
خط عذار تو و مشک ناب ہر دو یکے است

ترجمہ۔ تیرے جمال کا چاند اور آفتاب دونوں ایک ہیں۔ تیرے رخسار کا خط اور مشک خالص دونوں برابر ہیں۔

حجابی استر آبادی۔
استر آباد کی رہنے والی تھی۔ نہایت حسین و جمیل تھی۔ ملا ہلالی کی لڑکی تھی اور شعر گوئی میں مشاق اور شہرۂ آفاق تھی۔

بہار سبزہ و گل خوش بہ روئے جانان است
وگرنہ ہر یک ازیں جملہ آفت جان است
بہ غنچہ مہر چہ بند و زگل چہ بکشاید
ولے کہ خوش شدہ از خار خار ہجران است
حدیث زلف دلآویز آں نگار امشب
زمن مپرس کہ بس خاطرم پریشان است
مگوئے شعر حجابی کہ نزد سیمبراں
ہزار بیت و غزل پیش حبہ کمیسان است

ترجمہ (1) اگر معشوق سامنے ہو تو سبزہ و گل کی بہار اچھی معلوم ہوتی ہے وگرنہ ان سب میں سے ہر ایک آفت جاں ہے۔
(2) غنچہ کے ساتھ محبت کیا کرے۔ اور پھول سے شگفتہ کیا ہوتا ہے۔ جو دل جدائی کے کانٹوں سے خون ہو گیا ہے۔
(3) اس کی زلف دلآویز کی باتیں آج کی رات مجھ سے مت پوچھ میرا دل بہت پریشان ہے۔
(4) اے حجابی شعر مت کہہ معشوقوں کے نزدیک ہزار بیت اور غزل سب یکساں ہیں۔
اسی غزل میں یہ شعر خوب کہا ہے۔
مراں بخواریم اے باغباں زگلشن خویش
کہ پنچ روز دگر گل بہ خاک یکسان است

ترجمہ۔ اے باغباں اپنے باغ سے مجھے خواری سے نہ نکال کہ پانچ دن بعد پھول اور خاک یکساں ہو جائیں گے۔

حجابی جرباد قانیہ۔
ایران کی ایک شاعرہ تھی۔ بہت عمدہ شعر کہتی تھی۔ دو شعر مل سکے ہیں، حاضر ہیں۔
حفظ ناموس تو شد مانع رسوائی من
ورنہ مجنوں تو رسوا تر ازیں می بایست
بعمر خویش کسے کز تو یک سخن نشنود
اگر کند گلۂ از تو شرمسار تو نیست

ترجمہ (1) تیرا حفظ ناموس میری رسوائی کا مانع ہوا ورنہ تیرا مجنوں اس سے زیادہ رسوا ہونا چاہیے تھا۔ اپنی عمر کے کے دور میں جس نے کبھی تجھ سے ایک بات بھی نہیں سنی اگر وہ کوئی گلہ کرے تو تجھ سے اسے شرمندہ نہ ہونا چاہیے۔

حسینہ۔
تخلص اور حسینہ بیگم نام ہے۔ مصنف تذکرۂ اختر تاباں کی والدہ ماجدہ کا۔ اکثر اردو اور کبھی کبھی فارسی کا شعر بھی کہتی تھیں۔ مگر جو کچھ کہتی تھیں چند روز بعد خود ہی اس کلام کو ضائع کر دیتیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ میں صرف بطریق تفنن طبع شعر کہتی ہوں۔ مجھے اس سے کوئی فائدہ یا شہرت مقصود نہیں ہے۔ بھوپال میں انتقال کیا۔ اور وہیں شہر کے باہر مغرب کی طرف قلعہ کی فصیل کے پاس احمد علی شاہ کے تکیہ میں مدفون ہیں۔ اور سر لوح مزار پر یہ شعر جو ان کے شوہر کے ہیں۔ لکھے ہیں۔

چوں حسینہ بیگم عفت سرشت

دفعتاً دنیائے فانی رات بہ ہشت
جس عباس حزیں تاریخ او
با ادب فرمود رضوان بہشت
بر سر لوح مرزار پاک آں
فادخلی فی جنتی 1248 باید نوشت

یہ پانچ شعر اس عفیفہ سے یادگار ہیں۔

نقش نگیں دلم صورت جاں پرورت
ورد زبانم بود روز و شباں نام تو
ایں مصرع چہ خوش گفت عاقلے
دیوانہ باش تا غم تو دیگراں خورند
چشم ہر کس صبحدم افتد بروے آں صنم
روز او تا شام باشد ہمچونام و شام عید
ماہ نو ہر کس بہ بیند بر رخ آں ماہ رو
ماہ کامل بگذارد اورا بہ شادی بے گماں
سرت گردم کجا بودی تو امروز
وصالت شد مرا عید دل افروز

ترجمہ (1) میرے دل کے نگینہ پر تیری صورت جاں پرور نقش ہے اور میری زبان کا ورد رات دن تیرا نام ہے۔
(2) یہ مصرع عجیب کسی عقلمند نے کیا خوب کہا ہے۔ دیوانہ رہ کہ تیرا غم دوسرے کھائیں۔
(3) صبح کے وقت جو کوئی اس کو دیکھتا ہے اس کا دن صبح سے شام تک نام و روز عید کی طرح گزرتا ہے۔
(4) شروع ماہ میں جو کوئی اس ماہ کا منہ دیکھتا ہے تمام مہینہ اس کا خوشی کے ساتھ گزرتا ہے۔
(5) تیرے قربان تو آج کہاں تھا۔ تیرا وصال میرے لئے عید ہو گیا۔

حیاتی بیگم۔
نور علی شاہ صوفی کی اہلیہ تھی۔ شعر کہتی تھی اور خوب خوب کہتی تھی۔ افسوس ہے کہ اس شاعرہ کا مفصل حال سکونت وغیرہ کا مجھے معلوم نہ ہو سکا۔ ایک قلمی بیاض سے یہ شعر ملے۔
منع دلم از نالہ مکن درپئے محمل
کز نالہ کسے منع نکرد است جرس را
چارۂ درد من بے چارہ را
داند و عمداً تغافل میکند

مثنوی۔
ایا طائر قدس عرش آشیاں
مجودانہ از دام ایں خاکدان
قفس بشکن و بالد پر باز کن
بہ گلگشت گلزار پرواز کن

ترجمہ (1) میرا دل اگر تیرے محمل کے پیچھے روتا ہے تو اس کو منع مت کر۔ کسی نے نالہ سے جرس کو منع نہیں کیا ہے۔
(2) مجھ بیچارہ کے درد کا علاج وہ جانتا ہے اور جان کر تغافل کرتا ہے۔
(ترجمہ مثنوی) خبردار ہو اے طائر عرش آشیاں۔ اس خاکدان سے دانہ مت ڈھونڈھ۔
(2) قفس کو توڑ دے اور پر کھول دے۔ اور گلزار کی گلگشت میں پرواز کر۔

حاجیہ
یہ ایرانی شاعرہ فتح علی شاہ قاچار کی حرم محترم تھی۔ نہایت نیک مزاج اور خوش گو تھی اس کا کلام یہ ہے اکثر نعت کہتی تھی۔
طواف کعبہ مرا حاجیہ میسر شد
خدا زیارت طیبہ کنوں بفرماید

ترجمہ۔ اے حاجیہ مجھے کعبہ کا طواف میسر ہو گیا۔ اب خدا طیبہ کی زیارت نصیب کرے۔

***

ردیف خاء معجمہ

خان زادہ۔
فخر النسا نام تھا۔ امیر یادگار خان کی لڑکی تھی۔ تبریز کی رہنے والی تھی۔ شعر نہایت عمدہ کہتی تھی۔ یہ مطلع اس سے یادگار ہے۔
شبے در منزل ما میہماں خواہی شدن یا نے
انیس خاطر ایں ناتواں خواہی شدن یا نے

ترجمہ۔ تو ایک رات ہمارے گھر مہمان ہونا چاہتا ہے یا نہیں۔ اس ناتوان کے دل کا انیس ہونا چاہتا ہے یا نہیں۔
تذکرہ مراۃ الخیال کا مصنف لکھتا ہے کہ یہ شاعرہ اس قدر حسین تھی کہ شاید اس کا اس وقت کوئی ہمسر نہ تھا۔

خاتون۔
قطب الدین کرمانی کی لڑکی کا تخلص ہے۔ بہت عمدہ شعر کہتی تھی۔ سعدی کی معاصر تھی۔ 694 ھ میں انتقال کیا۔ حسین قلی خاں کے تذکرہ میں یہ رباعی خاتون کے نام سے لکھی ہے۔
بس غصہ کہ از چشمۂ نوش تو رسید
تا دست من امروز بدوش تو رسید
در گوش تو دانہاے در زمی بینم
آب چشمم مگر بہ گوش تو رسید

تذکرۂ جواہر العجائب ملا فخری ہروی میں جو طہماسپ شاہ معاصر اکبر بادشاہ کے عہد میں لکھا گیا ہے اس میں یہ رباعی بھی اسی کے نام سے لکھی ہوئی ہے۔
آں روز کہ در ازل نشانش کردند
آسائش جاں بیدلانش کر دند
دعوے بلب نگار میکرد نبات
زاں روے بہ چوب در دہانش کر دند

میرزا آفتاب طہرانی نے یہ پانچ شعر مصنف اختر تاباں کو اسی کے نام سے سنائے تھے۔
من آن زنم کہ ہمہ کار من نکو کاری است
بزیر مقنع من فرہ کلہ داری است
درون پردۂ عصمت کہ جائگاہ منست
مسافران صبا را گزر بہ دشواری است

جمال و سایہ خود را دریغ میدارم
زآفتاب کہ آں کوچہ گرد بازاری است
نہ ہر زنے بد و گز مقنع است کد بانو
نہ ہر سرے زکلا ہے سزاے سرداری است
ہمیشہ باد سر زن بزیر مقنع او
کہ تار و پود ولے از عصمت و نکو کاری است

ترجمہ رباعی اول۔ چونکہ تیرے چشمۂ نوش یعنی لبوں سے بہت رنج پہنچا یہاں تک کہ آج میرا ہاتھ تیرے روش تک پہنچا۔ میں تیرے کان میں موتی کے دانے دیکھ رہا ہوں۔ میری آنکھ کا پانی شاید تیرے کانوں میں پہنچ گیا۔
ترجمہ رباعی دوم۔ جب ازل کے دن اس کو منتخب کر کے بے دلوں کی جان کا آرام بنایا۔ تو مصری اس کے شیریں ہونٹوں کے مقابلہ کا دعویٰ کر رہی تھی۔ اسی لیے تین لکڑیاں اس کے منہ میں ٹھونس دی گئیں۔ مصری لکڑیوں پر بنائی جاتی ہے۔
ترجمہ اشعار (1)
میں وہ عورت ہوں کہ میرا ہر کام نیکی ہے۔ میرے ڈوپٹہ کے نیچے مرد کا دبدبہ اور سرداری ہے۔
(2) میں عصمت کے پردہ کے اندر رہتی ہوں جہاں ہوا کا بھی گزر نہیں ہو سکتا۔
(3) میں اپنے جمال اور اپنے سایہ کو آفتاب سے بھی چھپاتی ہوں۔
کیوں کہ وہ ایک کوچہ گرد اور بازاری ہے۔
(4) ہر عورت دو گز کا ڈوپٹہ اوڑھ کر کدبانو نہیں بن سکتی۔ ہر کوئی ٹوپی پہن کر سردار بننے کے قابل نہیں ہو جاتا۔
(5) عورت کا سر ہمیشہ ڈوپٹہ میں چھپا رہنا چاہیے اور وہ ڈوپٹہ بھی ایسا ہونا چاہیے کہ جس کا تانا بانا عصمت اور نیکو کاری سے ہو۔
***

ردیف دال
دختر
ایک شاعرہ عفیفہ روزگار کا تخلص تھا جو ایران کی رہنے والی تھی۔ یہ شعر اسی کا ہے۔
مگو رسوائے عشق از مردم عالم غمی دارد
کہ عاشق گشتن و رسوا شدن ہم عالمے دارد

ترجمہ۔ یہ نہ سمجھ کہ رسوائے عشق دنیا کے آدمیوں سے کچھ آزردہ ہے۔ کیونکہ عاشق ہونا اور بدنام ہونا بھی ایک شان رکھتا ہے۔
دلشاد خاتون
امیر علی جلایر کی صاحبزادی تھیں۔ نظم و نثر دونوں خوب لکھتی تھیں۔ یہ شعر نمونتاً درج ہیں۔
اشکے کہ سر زگوشۂ بروں کند
بر روئے من نشیند و دعوے خوں کند
حل شد از غم ہمہ مشکل کہ مرادر دل بود
جز غم عشق کہ حل کردن آں مشکل بود

ترجمہ
(1) جو اشک میری آنکھوں سے نکلتا ہے وہ میرے منہ پر آتا اور خون کا دعویدار ہوتا ہے۔
(2) غم سے میری وہ تمام مشکلیں حل ہو گئیں جو میرے دل میں تھیں۔ نہ ہوا تو غم عشق حل نہ ہوا۔ اس کا حل ہونا دشوار تھا۔
***

ردیف را

رابعہ صفاہانیہ
اصفہان کی رہنے والی ایک شاعرہ خوش گو خوبرو کا نام ہے جو دولت سامانیہ میں زندہ تھی۔ یہ اس کے شعر ہیں۔
دعوتم آں است بر تو کا یزدت عاشق کناد
بر یکے سنگیں دل و نامہرباں چوں خویشتن
تابدانی درد عشق و داغ مہر و غم خوری
چوں بہ ہجر اندر بہ پیچی پس بدانی قدر من

ترجمہ
میری تیرے لئے دعا ہے کہ خدا تجھے کسی کا عاشق کر دے۔ جو تجھ سا ہی سنگین دل اور انمل ہو تاکہ تو عشق کے درد کی اور محبت کے داغ کی حالت معلوم کر کے غم کھائے۔ جدائی کی سختیاں اٹھائے تب تجھے میری قدر معلوم ہو۔
غالب نے بھی ایک شعر اسی انداز کا کہا ہے۔

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک اور شخص پر
آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے

رخشندہ بانو
بغداد کی رہنے والی تھی۔ 1300 ھ میں اپنے بھائی کے ساتھ بھوپال میں آئی تھی اور شاہجہاں بیگم صاحبہ والی بھوپال بالقابہ کی خدمت میں ایک مدحیہ قصیدہ کہہ کر گزرانا تھا۔ جس کے صلہ میں معقول انعام پایا۔ دو شعر اس کے لکھے جاتے ہیں۔
ہست امیدم کہ باشم در حضورت ہر زماں
تا بود جاں در تنم باشم ترا خدمتگذار
در جناب حضرتت ہاشم ہمیشہ چوں ایاز
سایۂ لطف تو بر سر با شدم لیل و نہار

ترجمہ
(1)مجھ کو امید ہے کہ میں تیرے حضور میں ہر وقت رہوں۔ جاں جب تک میرے جسم میں رہے میں تیرا خدمت گذار رہوں۔
(2) تیری بارگاہ میں ایاز کی طرح میں حاضر رہوں۔ میرے سر پر تیری مہربانی کا رات دن سایہ رہے۔
رشحہ
کاشان کی رہنے والی تھی۔ اور ہاتف کاشانی کی لڑکی تھی۔ علی اکبر نظیری کی بیوی اور مرزا احمد کشتہ کی ماں تھی۔ فتح علی شاہ قاچار کے زمانہ میں عیش و آرام سے کاشان میں رہتی تھی۔ شعر و شاعری سے فطری ذوق اور قدرتی لگاؤ تھا۔ صاحب دیوان تھی۔ چند شعر درج کئے جاتے ہیں۔
آن بت گل چہرہ یار رب بستہ از سنبل نقاب
یا بہ افسوں کردہ پنہاں در دل شب آفتاب
دل رفت و زخوں دیدہ مارا
پیداست برخ ازیں علامت
می تبد از شوق دل در سینہ ام گوئی کہ باز
تیر دلدوزی بدل زارو کمانے میرسد
بقصد صید تو چوں رشحہ دیدمش گفتم
کسے ندیدہ شکار مگس کند شہباز

ترجمہ
(1) یا الٰہی اس گل چہرہ معشق نے سنبل سے نقاب باندھی ہے یا افسوں کے ساتھ رات کے دل میں آفتاب چھپا دیا ہے۔

(2) ہمارا دل چلا گیا اور خون کے آنکھوں میں بہنے سے رخسار کے اوپر یہ علامت ظاہر ہے۔

(3) شوق دل سے میرے سینے میں دھڑکتا ہے۔ شاید پھر کوئی دلدوز تیر کوئی معشوق میرے سینہ میں لگاتا ہے۔

(4) اے رشحہ جب میں نے تیرے معشوق کو تیرے شکار کے لئے تیار دیکھا تو کہا کہ کسی نے شہباز کو مکھی کا شکار کرتے نہیں دیکھا ہے۔
***

ردیف زائے معجمہ

زایری
ایران کی رہنے والی ایک خوش گو خوش مذاق تھی۔ صرف اتنا ہی معلوم ہو سکا باقی حال پردۂ خفا میں ہے۔
خوردن خون دل از چشم تر آموختہ ام
خوردہ ام خون دل و این ہنر آموختہ ام
کار من بے تو بجز خون جگر خوردن نیست
ہمہ از مردم صاحب نظر آموختہ ام
شیوۂ عاشقی و رسم نظر بازی را
ہمہ از مردم صاحب نظر آموختہ ام
ناصحا چند کنی منع از عشق بتاں
من زاستاد ازل ایں قدر آموختہ ام
زایریؔ بہر طواف حرم کوئے کسے
صبح خیزی زنسیم سحر آموختہ ام

ترجمہ
(1) میں نے دل کا خون پینا چشم تر سے سیکھا ہے اور میں دل کا خون کھا کر یہ ہنر سیکھا ہے۔
(2) میرا کام تیری جدائی میں خون جگر کھانے کے سوائے اور کچھ نہیں ہے۔ عجب کام ہے جو خون جگر کھا کر سیکھا ہے۔
(3) عاشقی کے طریقے اور نظر بازی کی رسم کو تمام اہل نظر سے میں نے سیکھا ہے۔
(4) اے ناصح تو مجھے کب تک بتوں کے عشق سے منع کرے گا۔ میں نے استاد ازل سے اسی قدر سیکھا ہے۔
(5) زایری کسی کے حرم کوچہ کے طواف کے واسطے صبح کو اٹھنا میں نے نسیم سحر سے سیکھا ہے۔
زبیدہ خاتون
خلیفہ ہارون رشید کی چہیتی بیوی تھی۔ جس کے کارناموں سے تاریخ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ تفنن طبع کے لئے کبھی عربی اور فارسی میں شعر کہتی تھی۔ چنانچہ یہ وہ چند شعر ہیں جو اس نے اپنے بیٹے محمد امین کے مرثیہ میں کہے تھے۔

اے جان جہاں جہان ناخوش بے تو
بغداد پریشان و مشوش بے تو
رفتی تو و من بے تو بماندم فریاد
تو در خاکی و من در آتش بے تو

ترجمہ (1) اے جان جہاں تیرے بغیر جہان برا معلوم ہوتا ہے۔ بغداد تیرے بغیر پریشان ہو رہا ہے۔
(2) تو چلا گیا اور میں تجھ بغیر رہ گئی۔ فریاد ہے۔ تو خاک میں ہے اور میں تیری جدائی سے آگ میں ہوں۔زلیخا خانم نوغ تمش خاں ترک کی بیوی تھی۔ دہلی میں انتقال ہوا اور یہیں مدفون ہوئی۔ قصۂ را می و ریس منظوم اس کا لکھا ہوا ہے۔ مگر اب ناپید ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ جس نے نظم میں ایک داستان لکھی اس نے کیا کیا کچھ نہ کہا ہو گا۔ مگر زمانہ کی بے مہری نے سب نسیاً منسیا کر دیا۔ اس وقت صرف ایک شعر ملتا ہے جو کسی کی ہجو میں کہا ہے۔

ازاں ہستی بعالم شوخ و اوباش
دو چشمانت جواں شیر قزلباش

ترجمہ۔ تو اس سبب سے دنیا میں شوخ و اوباش ہے کہ تیری دونوں آنکھیں جوان شیر قزلباش ہیں۔

زہرہ

لکھنؤ کی رہنے والی ایک رقاصہ کا نام تھا جس کا ذکر اردو گویوں میں کیا جا چکا ہے۔ عروض و قافیہ سے باخبر تھی۔ فارسی کتب درسیہ سب نکلی ہوئی تھی۔ آغا شمس علی شمسؔ سے اصلاح لیتی تھی۔ اس کی غزل گوئی سے اس کی غزل خوانی بہت بہتر تھی۔ آخر میں ایک رئیس کے گھر بیٹھ گئی۔ اور پیشہ سے توبہ کر کے تمام عمر عفت و عصمت سے بسر کی۔ یہ اس کا کلام ہے۔

ہے ہے چہ بے حیاست کہ در پیش مردماں
پروانہ بہ بزم بغل گیر کرد شمع

ترجمہ۔ ہائے ہائے کیسی بے حیا ہے کہ لوگوں کے سامنے شمع کو پروانہ نے بغل میں لے لیا۔

رفتہ رفتہ تا بحالم مہرباں گردو طبیب
ایں جراحتہا کہ من دارم کہن خواہد شدن

ترجمہ۔ آہستہ آہستہ جب تک کہ طبیب میرے حال پر مہربان ہو۔ جو زخم میرے بدن میں ہیں وہ پرانے ہوتے جاتے ہیں۔

خبر از من کہ برو تا بہ غلام بابا
زہرہ در بزم غزل تازہ نوائے دارد

ترجمہ۔ میرے غلام بابا کو کون خبر پہنچائے کہ زہرہ غزل کی محفل میں تازہ نوا رکھتی ہے۔
غلام بابا ایک رئیس سورتی کا نام تھا۔ شاید ان سے کچھ ایسے تعلقات ہوں گے جن کی بنا پر یہ شعر کہا گیا۔

زیب

ہندوستان کی نہایت مشہور شاعرہ زیب النساء بیگم کا تخلص ہے۔ جس نے غالباً مخفی اور زیب دونوں تخلص اختیار کئے تھے۔ شاہ عالمگیر کی لڑکی تھی جو 1048 ھ میں دلرس بانو دختر شاہ نواز خاں صفوی کے بطن سے پیدا ہوئی۔ زیب النساء جب پڑھنے لکھنے کے قابل ہوئی تو اس کی تعلیم و تربیت حافظہ مریم عنایت اللہ خاں کی ماں کے سپرد ہوئی۔ عنایت اللہ خاں ایک نہایت امیر کبیر آدمی تھا جو دربار عالمگیری میں کسی عہدے پر ممتاز تھا۔ اول میں قرآن شریف حفظ کرایا گیا۔ بعد ہٗ اس کو فارسی، عربی کی تعلیم دلائی گئی اور اس میں استادی کا فخر ملا سعید اشرف ماژندرانی کو حاصل ہوا۔ اس وقت زیب النساء کی عمر اکیس سال کی تھی۔ چونکہ ملا سعید اشرف ماژندرانی ایک شاعر بھی تھے لہذا شاہزادی کے کلام نظم کی بھی اصلاح کرتے رہے۔ تیرہ چودہ برس تک تعلیم و تعلم کے تعلق سے ملا صاحب موصوف شاہزادی کے پاس رہے۔ آخر 1083 ھ میں انہوں نے وطن جانے کا قصد کیا اور یہ قصیدہ لکھ کر زیب النساء کی خدمت میں گزرانا۔

یک بار از وطن نتواں بر گرفت دل
در غربتم اگرچہ قرون ست اعتبار
پیش تو قرب و بعد تفاوت نمی کند
گو خدمت حضور نباشد مرا شعار

نسبت چو باطنی است چہ دہلی چہ اصفہان
دل پیش تست من چہ بہ کابل چہ قندہار

زیب النساء نے انعام و اکرام کے ساتھ ان کو رخصت کر دیا۔ زیب النساء ایک شاعرانہ بے تعلق زندگی بسر کرنے والی آدمی تھی۔ اور سیاسی امور سے اس کو بالکل تعلق خاطر نہ تھا۔ مگر پھر بھی جب شاہزادہ اکبر نے عالمگیر سے بغاوت کی تھی۔
اس وقت اس وجہ سے کہ زیب النساء اور اکبر دونوں حقیقی بھائی بہن تھے کچھ لوگوں نے زیب النساء کی طرف سے عالمگیر کو بد ظن کر دیا۔ اور اس کی تنخواہ چار لاکھ سالانہ اور تمام مال و متاع ضبطی میں آ گیا۔ اگرچہ اس کی بے گناہی جلد تر ثابت ہو گئی۔ اور پھر اس کا تمام اعزاز بحال کر دیا گیا۔ مگر پھر بھی اس کو کچھ نہ کچھ صدمہ ضرور پہنچا۔ عالمگیر زیب النساء کی بے حد عزت کرتا تھا۔ جب وہ باہر سے آتی تو اس کے استقبال کے لئے شاہزادوں کو حکماً بھیج دیتا۔ مگر جب عالمگیر دکن کے طویل سفر پر گیا زیب النساء دلی ہی میں رہی اور 1113 ھ میں پیوند خاک ہو گئی۔
اگرچہ تمام مؤرخین اس بارہ میں متفق اللفظ ہیں کہ وہ عربی و فارسی میں نہایت قابل تھی۔ نسخ اور شکستہ خط میں اس کو نہایت دستگار تھی۔ مگر تعجب ہے کہ کوئی تذکرہ لکھنے والا مصنف اس کے دیوان کا تذکرہ نہیں کرتا۔ مولوی غلام علی آزاد ید بیضا میں یہ لکھتے ہیں "کہ ایں دو بیت از نام او مسموع شدہ"۔ اور اس کے بعد دو شعر نقل کر کے خاموش ہو جاتے ہیں۔
تذکرۂ مخزن الغرائب کا مصنف لکھتا ہے کہ "اما دیوان اشعارش بہ نظر نیامدہ مگر در تذکرہ ہا انتخابش بہ نظر آمدہ لیکن اعتبار را نہ شاید بسبب آنکہ اکثر شعر اساتذہ صاحب آن بنام بیگم نوشتہ بود۔ " اسی تذکرہ میں یہ ذکر ہے کہ اس کے اشعار کی بیاض پانی میں گر گئی۔ ارادت فہم ایک خواص سے یہ خطا ہوئی۔ مگر یہ واقعہ قابل یقین نہیں ہے۔ اس لیے کہ حوض سے بیاض نکالی جا سکتی تھی اور پھر اس کی نقل بہت ممکن تھی۔
اگرچہ بہت سے لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ اس کا کلام ضائع ہو گیا مگر ایک فرقہ یہ بھی کہتا ہے کہ یہی مطبوعہ دیوان زیب النساء کا دیوان ہے۔ اس لئے آخر میں ہم اس دیوان سے بھی دو چار شعر انتخاب کریں گے۔ اور وہ دو چار شعر جو قدیم تذکروں میں اس کے نام سے پائے جاتے ہیں، بھی لکھ دیں گے۔
چونکہ وہ ایک بذلہ سنج شاعرہ تھی اس لئے بہت ممکن ہے کہ یہ لطائف جو اس کے نام سے مشہور و معروف ہیں، صحیح ہوں۔ اگرچہ ان کے غلط ہونے کے احتمالات کچھ کم نہیں مگر ہم لکھے دیتے ہیں۔
سنا ہے کہ زیب النساء نے ایک مرتبہ بکری کو بچہ دیتے ہوئے دیکھا۔ چونکہ وہ نہایت تکلیف میں تھی زیب النساء ہنسی اور یہ شعر پڑھا۔ خدا جانے اسی کا ہے یا اور کسی کا۔
اے صدف تشنہ بمیرہ سوئے نیساں منگر
بہر یک قطرۂ آبے کہ شکم بشگا فند

یعنی اے صدف پیاسا مر جانا منظور کر اور ابر نیساں کی طرف ایک قطرہ پانی کے لئے نظر نہ اٹھا۔ کیونکہ اسی ایک قطرہ پانی لینے کی وجہ سے پیٹ چیرا جاتا ہے۔
ایک مرتبہ یہ مصرع طرح ہوا۔ ع دُرِ ابلق کسے کم دیدہ موجود" زیب النساء نے فی البدیہہ کہا۔ مگر اشکِ بتانِ سُرمہ آلود۔ ایک مرتبہ کوئی کنیز آئینہ اٹھا کر زیب النسا کے پاس لا رہی تھی۔ اتفاق وقت سے آئینہ گر پڑا۔ کنیز ڈرتی ڈرتی زیب النسا کے پاس آئی۔ زیب النسا نے پوچھا کیا ہوا۔ کنیز نے یہ مصرع پڑھا۔

از قضا آئینہ چینی شکست
زیب النسا شاید شاعرانہ ترنگ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ غصہ کرنا یا خفا ہونا تو درکنار فوراً یہ مصرع موزوں کر کے اس مصرعہ کے ساتھ چسپاں کر دیا اور یہ اچھا خاصہ شعر ہو گیا۔
از قضا آئینۂ چینی شکست
خوب شد اسباب خود بینی شکست

نعمت خان عالی کو کچھ روپیہ کی ضرورت تھی۔ اپنا جیغہ مرصع زیب النسا کے پاس رہن کرنے کے لئے بھیجا۔ نوابی دربار تو تھا ہی کون یاد رکھتا ہے۔ زیب النساء کو خیال بھی نہ رہا۔ نعمت خاں تو ایک ہی بے چین طبیعت کا آدمی تھا۔ اس نے ایک رباعی لکھ کر بھیجی۔
اے بند گیت سعادت اختر من

در خدمت تو عیاں شدہ جوہر من
گر جیغہ خریدنی است پس کو زر من
وزنیست خریدنی بزن بر سر من

رباعی دیکھ کر زیب النساء کو بڑی ہنسی آئی اور فوراً پانچ ہزار روپیہ بھیج دیے۔ اور غریب شاعر کی پگڑی بھی واپس دے دی۔ غرض کہ زیب النساء علم و فضل کی نہایت قدردان تھی۔ بہت سے شعراء اور ادباء کا اس کے یہاں سے وظیفہ مقرر تھا۔ اس کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اور وہ نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھی۔ مگر بہت سے ناعاقبت اندیش مصنفوں نے اس پر طرح طرح کے الزام لگائے ہیں۔ عاقل خاں کے قصے انہیں افترا پردازوں کے فرصت کے کارنامے ہیں۔ ورنہ ہر عقل مند سمجھتا ہے کہ اورنگزیب عالمگیر ایسا بادشاہ جلیل القدر اور اس کے زمانہ میں خود اسی کی لڑکی کی نسبت یہ افواہیں اڑیں اور وہ خبر نہ ہو۔ ان واقعات یا اسی قسم کے دوسرے من گھڑت افسانوں کو سن کر وہی شخص یقین کر سکتا ہے جسے قدرت نے دل و دماغ دینے میں نہایت احتیاط بلکہ بخل سے کام لیا ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ زیب النساء نے ایک مرتبہ یہ مصرع ناصر علی خان کے پاس بھیجا اور یہ صرف اس لئے کہ اس پر دوسرا مصرع لگایا جائے۔
از ہم نمی شود زحلاوت جدا لبم
ناصر علی نے بے باکانہ جواب لکھ بھیجا کہ ع شاید رسید بر لب زیب النساء لبم " اول تو ہیبت شاہی کیونکر اس بات کی مقتضی ہوتی۔ دوسرے بھلا کہاں ناصر علی کا رنگ اور کہاں یہ ہزلانہ مصرع وہ اشعار جو اہل تذکرہ نے زیب النساء کے نام سے لکھے ہیں، یہ ہیں۔
بشکند دستے کہ خم در گردن یارے نشد
کور بہ چشمے کہ لذت گیر دیدارے نشد
صد بہار آخر شد و ہر گل بفرقے جا گرفت
غنچہ باغ دل ما زیب دستارے نشد

(1) وہ ہاتھ جو کسی محبوب کی گردن میں خم ہو کر نہیں پڑا ہے ٹوٹ جائے تو اچھا ہے۔ وہ آنکھ جس نے لذت دیدار نہیں حاصل کی اگر اندھی ہو جائے تو بہتر ہے۔
(2) سو 100 بہاریں آئیں اور ختم ہو گئیں۔ ہر پھول کسی گوشہ دستار پر پہنچ گیا، مگر ہمارے دل کے باغ کا غنچہ کسی دستار تک نہ پہنچ سکا۔
اب چند شعر دیوان مخفی سے نقل کئے دیتا ہوں۔ اگرچہ جس دیوان سے میں لکھ رہا ہوں وہ ایک نہایت قدیم نسخہ ہے اور میرے خیال میں کم سے کم دو سو ڈیڑھ سو برس کا لکھا ہوا ہے۔ مگر پھر بھی میں اس کو وہی متنازعہ فیہ کا درجہ دیتا ہوں۔
از جر احتہائے دل از بسکہ لذت یافتم
پنبہ از ناخن نہم بر زخم داغ خویش را
قصد من بہر نگاہیز مروت دو رست
کس گنہ گار نکردہ است تماشائی را
مخفی اگر نہ کافری در رہ عاشقی درآ
از سر صدق سجدہ کن آں بت دلربائے را
کوئے عشق استز ناموس سلام است اینجا
صد چو محمود بہر گوشہ غلام است اینجا
چو مجنون از سر ہمت قدم در وادی دل نہ
کہ بستم تازہ مخفی با محبت عہد و پیماں را
علاج تشنگیم کے شود کہ از پس عشق
بود برابر اک قطرۂ رود نیل مرا
فلک بہ بخت زبونم ہر آنچہ خواہی کن
کہ چشم مہر و وفا نیست جز اصیل مرا
بسکہ لذت دارد از درد جراحت و مبدم
سودۂ الماس خواہد سینۂ افگار ما

زینت

زیب النساء بیگم کی چھوٹی بہن کا نام تھا۔ یہ شہزادی بھی نہایت ذکی اور ذہین تھی۔ زینۃ المساجد جو اب تک دہلی میں موجود ہے۔ اسی کی بنوائی ہوئی ہے۔ اسی مسجد میں اس کی قبر ہے۔ کبھی کبھی شعر کہتی تھی۔ یہ شعر اسی کا اس کے مزار پر لکھا ہوا ہے۔

مونس ما در لحد فضل خدا تنہا بس است

سایۂ از ابرِ رحمت قبر پوش ما بس است

ترجمہ۔ ہمارا مونس قبر میں میں صرف فضل خدا کافی ہے۔ ابر رحمت کا سایہ ہمارا قبر پوش بہت ہے۔

***

ردیف سین

سلطان

خدیجہ بیگم نام تھا اور سلطان تخلص تھا۔ علی قلی خاں والہ داغستانی کی چچا زاد بہن تھی۔ اپنے وقت کی مشہور و معروف شاعرہ تھی۔ چند شعر انتخاب کر کے درج کئے جاتے ہیں۔

از رنج درون خستہ ام ہیچ مپرس

از حال دل شکستہ ام ہیچ مپرس

انداز پرش رفتہ زیادم عمریست

اے دوست زیاں بستہ ام ہیچ مپرس

ترجمہ (1) میرے رنجیدہ دل کا حال کچھ مت پوچھ۔ میرے ٹوٹے ہوئے دل کا حال کچھ مت پوچھ۔

(2) اڑنے کا انداز ایک عمر سے میری یاد سے جاتا رہا۔ اے دوست میرے بندھے ہوئے بازوؤں کا کیا حال پوچھتا ہے۔

من سستیِ عہد یار مے دانستم

بے مہری آں نگار مے دانستم

آخر بہ خزاں ہجر خویشم نہ نشاند

من عادت نو بہار مے دانستم

ترجمہ میں یار کی عہد کی سستی کو جانتا تھا۔ اس کی بے محبتی مجھے معلوم تھی۔

(2) آخر اس نے اپنے جدائی کی خزاں کو مجھے حوالہ کیا۔ میں تو پہلے ہی بہار کی عادت جانتا تھا۔

من ساقیم و شراب حاضر

اے عاشق خستہ آب حاضر

آب است شراب پیش لعلم

ہاں لعل من و شراب حاضر

ترجمہ۔ میں ساقی ہوں اور شراب حاضر ہے۔ اے عاشق خستہ پانی حاضر ہے۔ شراب میرے سرخ ہونٹوں کے سامنے پانی ہے، ہاں میرے ہونٹ اور شراب دونوں موجود ہیں۔ ملا لے۔

با حسن من آفتاب ہیچ است

اینک من و آفتاب حاضر

سلطانؔ چو منے بنودہ در دہر

عالم عالم کتاب حاضر

ترجمہ۔ آفتاب میرے حسن کے سامنے ہیچ ہے۔ دیکھ لو میں اور آفتاب دونوں موجود ہیں۔
(2) سلطان دنیا میں میری طرح کوئی نہ ہو گا۔ کہ جس کو علم کی اس قدر یادداشت ہو۔

سلیمہ

تخلص تھا، سلیمہ بیگم زوجہ بیرم خاں خانخاناں کا۔ اگرچہ یہ شاعرہ اپنے وقت کی نہات مشہور خوش گو تھی مگر آج اس کا صرف ایک مطلع مل سکا۔

کاکلت را گر زمستی رشتۂ جاں گفتہ ام
مست بودم زیں سبب حرف پریشاں گفتہ ام

ترجمہ۔ تیری کاکل کو اگر مستی کی حالت میں میں نے رشتۂ جاں کہہ دیا تو معاف کر میں مست تھا اس وجہ سے کچھ پریشاں باتیں میرے منہ سے نکل گئیں۔

سیدہ بیگم

سید ناصر کی بیٹی جرجان کی رہنے والی تھی۔ اور خاقانی کی معاصر تھی۔ نہایت عمدہ شعر کہتی تھی۔

دلے دارم بہ پہلو بیقرار از ہجر یار خود
چہ گریم پیش بیدرداں زدرد بیقرار خود
بدرد دل چناں گریم چوں گر در دل خارا
چو یاد آرم من سرگشتہ از یار و دیار خود
ازاں پیوستہ در عالم چنیں سرگشتہ میگردم
کہ می بینم چو زلف او پریشاں روزگار خود
گلے از باغ وصل او نچیدم بر مراد خود
چو غنچہ گرچہ خوں دیدم دل امیدوار خود
زاستغنا ندارد گوش یکبار آں جفا پیشہ
اگر درپیش او صد بار گویم حال زار خود
بکار خویش حیرانم کہ از عشق بتاں ہر گز
سر و ساماں نمی بینم من مسکیں بکار خود
ازیں سوزیکہ من دارم زعشق او پس مردن
بخواہم سوخت آخر سیدہ لوح مزار خود

ترجمہ (1) میرے پہلو میں ایک دل ہے جو میرے معشوق کے چھٹنے سے بیقرار ہو گیا ہے۔ بے دردوں کے سامنے اپنے بیقرار درد کا کیا اظہار کروں۔
(2) دل کے درد سے میں ایسی روتی ہوں کہ پتھر کا دل خون ہو جاتا ہے۔ جب میں پریشان حال اپنے یار و دیار کو یاد کرتی ہوں۔
(3) اس سبب سے دنیا میں ہمیشہ پریشان پھرتی ہوں کہ اس کی زلف کی طرح میں اپنا زمانہ پریشان دیکھتی ہوں۔
(4) اس کے وصل کے باغ سے ایک پھول بھی اپنے حسب مراد نہ چن سکی۔ اگرچہ غنچہ کی طرح میرا امیدوار دل خون ہو گیا۔
(5) وہ ظالم بے پروائی سے ایک مرتبہ بھی نہیں سنتا اگرچہ میں اس کے سامنے سیکڑوں مرتبہ اپنا حال زار کہتی ہوں۔
(6) میں اپنے کام میں حیران ہوں کہ بتوں کے عشق سے میں مسکین اپنا سر و سامان نہیں دیکھتی۔
(7) یہ سوز جو مرنے کے بعد مجھے اس کے عشق میں ہے اسی سے میں اپنی لوح مزار کو پھونک دوں گی۔

***

ردیف شین

شاہجہاں

شاہجہاں بیگم صاحبہ والیہ بھوپال کا تخلص ہے۔ اردو میں شیریں تخلص فرماتی ہیں اور فارسی میں شاہجہاں۔ آپ کی مفصل سوانح عمری اردو کے ذکر میں لکھی گئی ہے۔ یہاں صرف انتخاب کلام پر ہی اکتفا کی جاتی ہے۔

تا چراغ عقل در فانوس دل افروختم
عجب و نخوت جملہ اسباب جہالت سوختم
چوں بال و پر افشاند و چوں دم ببرد
صید یکہ زصیاد بریدں نتواند
چوز عہد او بہ پرسم چہ بلا جواب گوید
کہ ہزار جا بہ بستم بہزار جا شکستم
افتاد بہ خاکم گزر آں سرور واں را
من مردہ خوشم زیست مبارک دگرانرا
ہر کہ بہ نشست دریں راہ نہ آساں برخاست
در رہ یار نشیستم کہ نتواں برخاست
تا زخم من لبے نہ کشاید بہ آرزو
کس پیش بندہ نام نمکداں نمی برد
گرچہ ایں نغمہ آزادی تو نیز خوش است
لیک خوشتر بود آہنگ اسیری بلبل
فدائے طالع خویشم شبے در انجمنش
کہ مست بودم و از مستیم سخن میرفت
بلاست ہمت عاشق کہ کوہ می لرزید
دراں زماں کہ بکف تیشہ کوہ کن میرفت
چوں کمال ہنر عشق معلم آموخت
قیس از مکتب و لیلے زدبستاں برخاست
برخیزم و نگاہ بہر چار سو کنم
باشد کہ رفتہ رفتہ ترا رو برو کنم
ایں جست و خیز ساغر کم ظرف تنگ ماست
مستی اگر کنم بہ شکوہ سبو کنم
مرغوب طبع تفرقۂ خوب و زشت نیست
من بعد بدنمایم و دانم نکو کنم
بیدل مباش شاہجہاںؔ ایں محبت ست
صد بار زندہ گردم و مرگ آرزو کنم
تا بگذر نداز بت بے اختیار ما
مستانہ قتل عام کند ہوشیار ما

ترجمہ (1) جب سے عقل کا چراغ ہم نے دل کے فانوس میں جلایا ہے، تکبر اور نخوت غرض کہ تمام اسباب جہالت جلا دیا۔

(2) کیونکہ اڑنے کی کوشش کرے اور کیونکر جال کاٹے۔ وہ شکار کہ صیاد سے علیحدہ ہونا نہیں چاہتا۔

(3) جب میں اس کے عہد کا ذکر کرتا ہوں تو کس قدر بے باکی سے جواب دیتا ہے کہ ایسا عہد ہزار جگہ باندھا ہے اور ہزار جگہ توڑا ہے۔

(4) میری خاک پر وہ گزر رہا ہے۔ میں مردہ اچھا ہوں۔ زندگی دوسروں کو مبارک ہو۔

(5) جو کوئی اس راہ میں بیٹھا آسانی سے نہیں اٹھا۔ یار کی راہ میں میں ایسا بیٹھا ہوں کہ اٹھ نہیں سکتا۔

(6) جب تک میرا زخم آرزو کے ساتھ لب نہیں کھولتا۔ میرے سامنے کوئی نمکداں کا نام نہیں لیتا۔
(7) اگرچہ تیرا یہ آزادی کا نغمہ بھی اے بلبل اچھا ہے مگر اسیری کی آواز اے بلبل اس سے بھی اچھی ہے۔
(8). میں اپنے نصیبے کے قربان کہ ایک رات محفل دوست میں میں مست تھا اور میری مستی کی باتیں ہوتی تھیں۔
(9) عاشق کی ہمت بھی ایک بلا ہے۔ پہاڑ اس وقت لرز رہا تھا جب فرہاد ہاتھ میں تیشہ لیے جا رہا تھا۔
(10) جب معلم نے عشق کا ہنر اچھی طرح سکھا دیا قیس اور لیلی مکتب سے اٹھ گئے۔
(11) میں اٹھتا ہوں اور چار طرف نگاہ کرتا ہوں۔ شاید کہ رفتہ رفتہ تجھے سامنے دیکھ سکوں۔
(12) مجھے اچھے برے کا تفرقہ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اس کے بعد میں برا کروں گا اور اچھا سمجھوں گا۔
(13) اے شاہجہاںؔ بے دل مت ہو۔ یہ تو محبت ہے ہم سو بار زندہ ہوں گے، اور سو بار مرنے کی آرزو کریں گے۔
(14) اس لئے کہ ہمارے بے اختیار معشوق سے درگزر کریں۔ مستانہ قتل عام کرتا ہے ہمارا ہوشیار۔

شاہی

گیلان کی رہنے والی فحش گو اور بے باک ہزال تھی۔ مگر نہایت طرار اور چرب زبان تھی۔ ایک شخص کی ہجو میں یہ رباعی کہی تھی، جو اس کی بے باکی کا نمونہ ہے۔

تا چند نس خویش نہی برنس من
گیرے جو دوال در زلی در پس من
گر قاعدہ گیر تو ایں خواہد شد
ریس تو بجائے گیر بہ در گس من

شرم

ایک طوائف تھی جو لکھنؤ کی رہنے والی تھی۔ اس شاعر گر زمین نے اسے اردو کا کامل شاعر بنا دیا تھا۔ اور فارسی کے شعر بھی کبھی کبھی کہتی تھی۔ ایک شعر موجود ہے لکھتا ہوں۔

قاقش سرو رخش گلفام است
چشم بادام و دو زلفش دام است

ترجمہ۔ اس کا قد سرو کی طرح ہے اور اس کا رخسار پھول کی مانند ہے۔ آنکھ بادام اور دونوں زلفیں جال ہیں۔

شیریں

رضیہ سلطان دختر شمس الدین التمش کا تخلص ہے، جس نے چند روز تخت دہلی پر حکمرانی کی۔ اس کا پورا نام سکہ پر یوں مضروب تھا۔ سلطان اعظم رضیۃ الدنیا والدین۔ رضیہ اپنے باپ کی نہایت پیاری بیٹی تھی سلطان شمس الدین التمش اس کی محبت کو بیٹوں پر ترجیح دیتا تھا۔ اس نے اس کو مردانہ اور سپاہیانہ تعلیم دلائی تھی۔ اور جو ہنر مردوں کو سکھائے جاتے ہیں سب اس کو سکھائے تھے۔ لکھنا پڑھنا، فن شمشیر زنی، شہسواری، تیر اندازی وغیرہ میں ماہر تھی۔ نہایت نازک اندام اور حسین تھی۔ مروت اور خلق کوٹ کوٹ کر اس میں بھرا تھا۔ مطالعہ کتب کی بے حد شائق تھی۔ تمام درباری اس کی صفات کی وجہ سے اس کی عزت کرتے تھے اور اس کو دل سے عزیز رکھتے تھے۔

التمش جب فوج لے کر جانب جنوب گیا تو اس کی غیبت میں چھ سال تک تمام سلطنت کا بوجھ رضیہ نے اٹھایا اور نہایت حسن و خوبی سے حکمرانی کرتی رہی۔ جب شمس الدین التمش کا انتقال ہوا، تو اس نے وصیت کی کہ میرے بعد عنان سلطنت رضیہ کے ہاتھ میں رہے۔ مگر اس کی وصیت پر عمل نہ ہوا۔ اور اس کے بجائے رضیہ کا بھائی فیروز حکمراں ہوا۔ مگر اس کی بے انتظامی کی وجہ سے امرائے عہد نے چھ مہینہ بعد ہی اس کو تخت سے اتار کر رضیہ کو سلطاں بنایا۔ دو سال تک وہ نہایت ہی بیدار مغزی سے امور سلطنت انجام دیتی رہی، مگر جب اس کو یہ خیال ہوا کہ اسے اب شادی کرنا چاہیے تو اسی نے ایک سردار یاقوت نامی سے شادی کرنا چاہی۔ اور اسی پر جھگڑے بڑھے یہاں تک کہ تمام سردار باغی ہو گئے اور بالآخر اس کو اپنے ایک سردار التونیہ سے لڑنا پڑا۔ یاقوت جو اس کی معیت میں تھا اس معرکہ میں مارا گیا۔ خود رضیہ التونیہ کے قبضہ میں گئی۔ اس سردار نے اس کا احترام کیا۔ اور بالآخر اس شرط پر اس کو رہا کر دیا کہ وہ اسی سے شادی کرے گی۔ انہیں قضیوں کے اثنا میں اور سرداروں نے اس کے نکمے بھائی کو تخت پر بٹھایا۔ التونیہ جو اب رضیہ کا شوہر تھا اور خود رضیہ نے اس کا انتقام لینا چاہا۔ مگر وہ دونوں خود اپنی رعایا اہالیان دربار کے ہاتھوں میں پڑے اور گرفتار ہو کر دونوں مارے گئے۔ رضیہ کو

شعر و شاعری کا ذوق تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ ترکی اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتی تھی۔ فارسی کے چند شعر یہ ہیں۔

نادیدہ رخش چو مردم چشم
کدیم درون دیدہ جایش
من نام ترا شنیدہ میدارم دوست
نادیدہ ترا چو دیدہ میدارم دوست
در دہان خود دارم عندلیب خوش الحاں
پیش من سخن گویاں زاغ در دہن دارند
غلطیدن نور رخ خورشید جز ایں چہ
بسمل شدہ تیغ نگاہ غضب ماست
از ماست کہ بر ماست چہ تقصیر دل زار
آن کشتہ انداز غم بے سبب ماست
کنم ببرکت پا تخت چرخ سلطانی
و ہم ببال ہما خدمت مگس رانی
باز آ شیریں منہ در راہ الفت گام خویش
ہاں ولے نہ شنیدہ ماشی قصۂ فرہاد را

ترجمہ (1) اس کا منہ دیکھے بغیر آنکھ کی پتلی کی طرح میں نے اس کو اپنی آنکھ میں جگہ دی ہے۔
(2) میں تیرا نام سن کر تجھے دوست رکھتی ہوں۔ بغیر دیکھے ہوئے تجھے آنکھوں کی طرح عزیز جانتی ہوں۔
(3) اپنے منہ میں ایک بلبل خوش آواز کہتی ہوں۔ میرے سامنے شاعر گویا کوے منہ میں لئے پھرتے ہیں۔
(4) سورج کے منہ کا نور اڑانا کس واسطے ہے سوائے اس کے کہ ہماری نگاہ سے زخمی ہے۔
(5) جو کچھ ہے وہ ہمیں نے خود پر ستم کیا ہے۔ دل کا کیا قصور ہے۔ وہ ہمارے غم بے سبب کے انداز کا مارا ہوا ہے۔
(6) میں پاؤں کی برکت سے چرخ کو تخت سلطانی بناؤں گی۔ اور ہما کے بازوؤں کو مگس کی رانی کی خدمت میں دوں گی۔
(7) شیریں کہنا مال راہ الفت میں قدم نہ رکھ ہاں شاید تو نے فرہاد کا قصہ نہیں سنا ہے۔

شیریں

ایک رقاصہ کا تخلص تھا۔ جو لکھنؤ بازار چوک میں رہتی تھی۔ نہایت عمدہ شعر کہتی تھی۔ اردو کا دیوان مطبوعہ ہے۔ کچھ غزلیں فارسی بھی کہی تھیں۔ چند شعر فارسی کے منتخب کر کے لکھے جاتے ہیں۔ بعض بعض شعر نہایت عمدہ کہے ہیں۔

زنیکاں مر مرا مشمار من آنم کہ من دانم
طریق حسن ظن بگزار من آنم کہ من دانم
اسیر نفس غدارم گنہ گار و خطا کارم
نیم کاذب بدیں گفتار من آنم کہ من دانم
رہ نخوت نمی پویم ہمی ہر بار میگویم
خراب و زشت و بدکردار من آنم کہ من دانم
اگر خلقم کند تحسیں نگردم شاد اے شیریںؔ
بہ خلوت خانہ از اغیار من آنم کہ من دانم

ترجمہ(1) مجھ کو نیکوں میں سے نہ گن میں وہ ہوں کہ میں ہی جانتی ہوں۔ حسن ظن کا طریقہ چھوڑ دے میں وہ ہوں کہ میں ہی جانتی ہوں۔
(2) میں نفس غدار کی قیدی ہوں، گنہگار اور خطاوار ہوں۔ اس بات میں میں جھوٹی نہیں ہوں، میں وہ ہوں کہ میں ہی جانتی ہوں۔
(3) نخوت کی راہ میں نہیں چلتی ہر مرتبہ میں یہی کہتی ہوں۔ خراب بری اور بد عادت میں وہ میں ہوں کہ میں ہی جانتی ہوں۔
(4) اگر دنیا میری تعریف کرے تو اے شیریں میں خوش نہ ہوں گی۔ خلوت خانہ میں غیروں سے میں وہ ہوں کہ میں ہی جانتی ہوں۔

***

ردیف صاد

صراحی
یہ تخلص تھا۔ اور محترم النساء خانم نام تھا۔ تیمان کی رہنے والی میر علی اکبر مشہدی کی لڑکی اور میر مرتضیٰ شاہ کی بیوی تھی۔ شعر بہت کم کہتی تھی۔ مگر کہتی تھی۔ ایک شعر یادگار ہے۔

صراحیؔ گر غمے داری زبخت سرنگون خود
قدح را ہمدم خود ساز و خالی کن درون خود

ترجمہ
اے صراحیؔ اگر تجھے اپنے سرنگوں نصیب سے کوئی غم ہے تو قدح کو اپنا ہمدم بنا اور اپنا دل خالی کر۔

***

ردیف ضاد

ضعیفی
آرزوی شاعرہ جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اس کی معاصر تھی۔ یہ اُس کی اور وہ اِس کی غزل پر غزل کہا کرتی تھی۔ یہ شاعرہ ظریفہ بھی تھی اور کبھی کبھی اپنے شوہر سے نوک جھوک ہوا کرتی تھی۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ ضعیفی اور اس کا شوہر بیٹھے ہوئے تھے۔ ضعیفی نے یہ رباعی کہی اور شوہر کو سنائی۔

اے مرد ترا بمہرم انگیزی نیست
ہم پیر و ضعیفی و ترا چیزے نیست
با ایں ہمہ مید ہی نہیبم ززدن
خود قوت آں ترا کہ برخیزی نیست

ترجمہ (1)
اے مردوے تجھے میری محبت نہیں ہے۔ تو بڈھا ہے ضعیف ہے اور تجھ سے کچھ ہو نہیں سکتا۔
(2) ان سب باتوں کے باوجود بھی تو مجھے مارنے سے ڈراتا رہتا ہے۔ حالانکہ تجھ میں اٹھنے کی بھی طاقت نہیں ہے۔
بڈھا شوہر بھی شوخ مزاج تھا۔ اس نے فوراً جواب دیا۔

اے زن دگر آنکہ با من آمیزی نیست
کار تو بغیر فتنہ انگیزی نیست
دارم ہمہ عیب را کہ گفتی با ما
عیبے بتر از بلاے بے چیزی نیست

ضیا
تخلص، سکندر جہاں بیگم نام، امیر علی جو ایک وقت میں ریاست جاورہ کے کوتوال تھے ان کی لڑکی تھی۔ اردو میں اس شاعرہ کا ذکر گزر چکا ہے۔ فارسی میں بھی یہ کبھی کبھی کچھ کہتی تھیں۔ دو شعر مل سکے۔ حاضر ہیں۔

ہمہ تن پیکر شکرم بہ سپاس رفعت
للہ الحمد کہ شکر از من و احساں ازوے

شدہ طبعم زشمیم گل فیضش خوشبو
گل زمین دل من رشک گلستاں ازوے

ترجمہ (1) میں تمام تر شکر کی تصویر ہوں۔ رفعت کے شکریہ میں۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ احساں کرتا ہے اور میں شکر کرتی ہوں۔
(2) میری طبیعت اس کے فیض شمیم گل سے خوشبودار ہو گئی، اور میرے دل کی گل زمیں میں اس سے رشک گلستاں ہو گئی۔
***

ردیف عین

عائشہ
سمرقند کی ایک پردہ نشین عورت کا نام اور تخلص تھا۔ اس کے کلام سے اس کی ذہانت کا پتہ چلتا ہے۔ مگر کلام صرف اسی قدر ملتا ہے جو درج تذکرہ کیا جاتا ہے۔
آراستہ باغ عندلیباں سرمست
یاراں ہمہ از نشاط گل بادہ پرست
اسباب فراغت ہمہ درہم زدہ است
بستاب کہ جز تو ہر چہ میباید ہست
اے از تو وفا و مہربانی نایاب
بے عیش تو لذت جوانی نایاب
وصل تو حیات جاودانی لیکن
یا بندہ آب زندگانی نایاب
ترجمہ (1) باغ آراستہ ہے اور بلبلیں مست ہیں۔ یار سب خوش ہیں گل اور بادہ کی پرستش کر رہے ہیں۔
(2) اسباب فراغت سب مہیا ہیں تو دوڑ کر آ کہ بس تیری کمی ہے۔
(3) اے وہ شخص کہ تیری ذات میں وفا اور مہربانی نہیں ہے۔ بے تیرے عیش اور جوانی کی لذت نہیں ہے۔
(4) تیرا وصل زندگانی جاوید ہے لیکن جو شخص اس آب زندگانی کو پائے وہ نہیں ملتا۔

اشکے کہ زچشم من بروں غلطید است
در گوش کشیدۂ کہ مروارید است
از گوش بروں آر کہ بدنامی تست
کانرا برخم تمام عالم دید است
-- -- -- -- --
بامن چو شب وصل تو بکشا ید راز
ناگاہم از شام کند صبح آغاز
با ایں ہمہ گر عوض کنندم مذہم
کوتاہ شبے ازاں بصد عمر دراز

ترجمہ (1)وہ آنسو کہ میری آنکھوں سے نکلا ہے تو نے یہ سمجھ کر کہ موتی ہے، کان میں ڈال لیا ہے۔ کان سے اس کو باہر نکال کیونکہ اس میں تیری بدنامی ہے۔ میرے رخسار پر اس کو سب نے دیکھا ہے۔
(2) اگر تیری شب وصل میرے ساتھ ہمراز ہو جاوے تو یکا یک شام ہی سے صبح ہونا شروع ہو جاوے۔ باوجود اس سب خرابی کہ اگر بدلہ میں سو عمر دراز مجھے دیں تو میں اس کوتاہ شب کو اس عمر دراز سے بدل نہیں سکتا۔
عصمت بیگم

سیف الملوک تورانی کی لڑکی تھی اور نہایت عمدہ شعر کہتی تھی۔ یہ نمونۂ کلام اسی کا ہے۔
چوں ابر بہار دمبدم گریانم
مانند فلک ہمیشہ سرگردانم
باہر کہ وفا کنم جفائے بینم
بربخت خود و طالع خود حیرانم

تذکرۂ مراۃ الخیال میں یہ شعر بھی اسی کے نام سے لکھا ہے۔
از پا شکستگان طلب کعبہ مشکل است
آں کعبۂ کہ دست دہد کعبۂ دل است

ابر بہار کی طرح میں دم بدم روتی ہوں اور آسمان کی طرح میں ہمیشہ سر گرداں رہتی ہوں۔
(2) جس کے ساتھ میں وفا کرتی ہوں جفا اس کا نتیجہ پاتی ہوں۔ اپنی قسمت اور اپنے ستارہ پر سخت حیران ہوں۔
(3) جو لوگ پاؤں توڑ کر طلب کرنے سے باز آ گئے ہیں ان کو کعبہ ڈھونڈنا مشکل ہے۔ وہ کعبہ جو مل سکتا ہے وہ دل کا کعبہ ہے۔

عصمتی
سمرقند کی ایک خوش فکر عورت تھی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔
تا فگند است مرا بخت بد از یار جدا
غم جدا می کشدم چرخ ستمگار جدا

ترجمہ۔ جب سے مجھ کو بدنصیبی نے یار سے جدا کر دیا ہے۔ غلم علیحدہ مجھ کو مارے ڈالتا ہے اور آسمان علیحدہ۔
عفتی
ملا آزری کی کنیز با تمیز تھی اور ملائے موصوف کے فیض صحبت نے شاعر بھی بنا دیا تھا۔ اس کا شعر یہ ہے۔ـ
قامت سرو کہ در آب نمودار شدہ
کرد دعوے بقد یار نگونسار شدہ

ترجمہ
سرو کا قد کہ پانی میں ظاہر ہوا۔ اس نے قد یار سے دعوے ٰ کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ نگونسار ہو گیا۔
***

ردیف غین

غریب
شیراز کی ایک خوش گو شاعرہ تھی۔ جس کو کسی ضرورت سے ترک وطن کرنا پڑا۔ اور عہد اکبر شاہ میں ہندوستان آئی۔
صرف ایک شعر اس کا دستیاب ہو سکا۔
خود بہ بودی یا کسِ دیگر ربود
اینقدر دانم کہ دل در سینہ بود
ترجمہ۔ تو لے گیا یا کوئی اور لے گیا۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ میرے سینے میں دل تھا۔
***

ردیف فا

فاطمہ بیگم

خراسان کی ایک شاعرہ عفت مآب تھی جس کا نام اور تخلص ایک ہی تھا۔ عمدہ شعر کہتی تھی لیکن اب ایک شعر بھی نہیں جو درج کروں۔

فصیحہ خانم

پردہ نشینان ہرات میں سے ایک عفت مآب کا تخلص تھا۔ شاہ عباس ماضی کے زمانہ کی شاعرہ ہے۔ آخر میں حبیب اللہ ترک سے اس نے نکاح کر لیا تھا اور کافی سرمایہ پایا تھا۔ اس کے بعد ہندوستان چلی آئی تھی اور یہیں انتقال کیا۔ دو رباعیاں اس کی مل سکیں۔

دیگر نہ زغم نہ از جنوں خواہم خفت
نے از دل غم دیدہ بخوں خواہم خفت
زینگو نہ بہ بست نرگست خواب مرا
در گور بحیرتم کہ چوں خواہم خفت

ترجمہ (1) اب دوبارہ میں غم اور نہ جنوں سے نہ سوؤں گی۔ نہ دل غم دیدہ سے خون میں سوؤں گی۔
(2) تیری آنکھوں نے اس طرح میری نیند اڑا دی ہے کہ مجھے تعجب ہے کہ قبر میں کیونکر سو سکوں گی۔

روزے کہ بخواں وصل مہاں گشتم
شرمندہ زانتظار ہجراں گشتم
زاں چشمۂ حیواں کہ کشیدم آبے
از زندگی خویش پیشماں گشتم

ترجمہ (1)
جس روز کہ میں وصل کے خوان پر مہمان ہوئی۔ جدائی کے انتظار سے شرمندہ ہوئی۔
(2) اس چشمۂ حیوان سے میں نے پانی پیا۔ اپنی زندگی سے پشیمان ہوئی۔

فناء النساء بیگم

ایک شاعرہ عہد جہانگیر میں تھی۔ نہایت نازک مزاج عالی دماغ تھی۔

ہنگام سحر دلبر من جلوہ گر آمد
صد فتنۂ خوابیدہ محشر بسر آمد
مکن تکرار اے دل ہر نفس درس محبت را
مدہ دہر دو عالم نشۂ صہبائے حیرت را
من از فراق تو الماز غم بدل خورم
تو دل شکستی و سوگند وصل ماخوردی

ترجمہ (1) صبح کے وقت میرا معشوق جلوہ گر ہوا۔ سو فتنہ محشر جو سو رہے تھے۔ جاگ اٹھے۔
(2) اے دل ہر وقت محبت کے سبق کو مت دہرا۔ دونوں جہاں میں نشہ صہباے حیرت مت دے۔
(3) تیری جدائی سے غم کا الماس میرے دل میں چبھا۔ تو نے دل توڑا اور ہمارے وصل کی قسم کھائی۔
***

ردیف قاف

قرۃ العین
زریں تاج ام سلمہ خلیفہ۔ بعض نے اس کو اس مذہب بابی کا محترع لکھا ہے جو ایران میں رائج ہوا۔ یہ مرزا محمد صالح مجتہد ایران کی لڑکی تھی۔ نہایت فاضلہ اور علوم میں کاملہ تھی۔ مگر جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مذہب بابی کی محترح یہی تھی۔ غلط ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص باب جس کا اصلی نام علی محمد تھا۔ یہ ایران کے ایک مشہور تاجر محمد رضا کا بیٹا تھا۔ اس نے پہلے فارسی پڑھی پھر عربی کی معمولی تکمیل کی پھر سید محمد کاظم کربلائی کے حلقۂ درس میں شریک ہوا۔ جب استاد کا انتقال ہو گیا تو اس کے بہت سے شاگرد ہو گئے۔ یہ اپنے شاگردوں کو ساتھ لے کر کوفہ کی مسجد میں پہنچا اور ریاضت شاقہ کرنے لگا۔ 1260 ھ میں اس نے اپنے عقیدت مندوں کو یقین دلایا کہ در اصل وہ مہدی جس کا انتظار ہے وہ میں ہی ہوں۔ اور اس کے ثبوت میں بہت سی احادیث بھی پیش کیں۔ اس بات پر اس سے معجزہ طلب کیا گیا تو اس نے کہا کہ میری تحریر و تقریر ہی کو معجزہ سمجھو۔ میں اس سے بہتر کوئی معجزہ پیش نہیں کر سکتا کہ ایک دن میں ہزار شعر مناجات کے تصنیف کرتا ہوں۔ اور چند منا جاتیں پیش کیں جن کے اعراب بھی درست نہ تھے۔ لوگوں نے اعتراض کیا تو اس نے جواب دیا کہ در اصل قصہ یہ ہے کہ علم نحو اب تک غضب الٰہی میں گرفتار تھا۔ اب تک اس میں غلطی ہونا نا جائز تھا۔ اب میں نے خدا سے اس کی سفارش کر دی ہے اور اس کے اوپر سے اللہ نے وہ سختیاں اٹھا دی ہیں۔ اب یہ قیود اس پر عارض نہیں رہیں۔ پھر اس نے اعلان کیا کہ میری وجود سے عرض یہ ہے کہ تمام ادیان متحد ہو جائیں۔ جس کے لئے میں آئندہ سال مکہ معظمہ سے شمشیر بکف خروج کروں گا اور تمام روئے زمین پر قبضہ کروں گا۔ لہذا جب تک کہ نام ادیان متحد نہ ہوں اور تمام لوگ میرے مطیع نہ ہو جائیں۔ تمام تکالیف شرعیہ میرے پیرووں کے لئے معاف ہیں۔ اس لالچ میں بہت سے لوگ اس کے مطیع ہو گئے۔
اس کے مذہب میں حقیقی بہن سے مبتلا ہونا بھی زنا نہیں تھا۔ ایک عورت کا نو آدمیوں کو نکاح میں لانا جائز تھا۔ اسی قسم کے بہت سے احکام مریدوں کو دیے جن کو طویل ہونے کی وجہ سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔ سلام علیک کی بجائے مرحبا بک سلام رائج کیا۔
(2) اذان میں اپنا نام داخل کرنا چاہا۔
(3) اس کا یہ قول بھی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم (نعوذ باللہ) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیعت کی۔
(4) جس طرح بغیر باب کے مکان میں داخل نہیں ہو سکتا، اسی طرح بغیر میرے دیکھے اور متابعت کیے دین خدا تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔
مریدین نے اس قول کو سن کر اس کا لقب باب مقرر کر دیا۔ اور مذہب بابی کی بنا پڑی۔ اس نے اپنے چند مریدین کو مناد کے طریقہ پر شیراز بھیجا تا کہ وہ لوگوں کو باب کے مہدی موعود ہونے کا یقین دلائیں۔ اور جو لوگ اس کے مہدی موعود ہونے کی تصدیق کریں ان سے بیعت لیں۔ اپنا تصنیف کیا ہوا کلام بھی جس میں کسی کا نام مناجات اور کسی کا قرآن تھا، ان کو دیا تاکہ لوگوں کو سنائیں۔ اور وہ بجائے قرآن مجید اور صحیفۂ سجادیہ کے پڑھا کریں۔
اس کے بعد اس کا خلیفہ ملا حسین شیروبہ ہوا، اور قراۃالعین جس کا یہ ذکر ہے اس کی نائب بنی۔ یہ نہایت حسین اور صاحب جمال بھی تھی۔ عربی میں ایسی قابل تھی کہ کچھ عبارتیں لکھ کر اس دعوے کے ساتھ پیش کیں کہ یہ کلام الٰہی کا جواب ہے اور اس نے ہر طریقہ سے اشاعت مذہب باب شروع کی۔ ہر فرقہ کے لوگ اس کے حسن و جمال کے لالچ سے اس مذہب میں داخل ہو گئے۔ جب سلطنت کو اس کے متعلق اطلاع ہوئی تو انہوں نے ہر طریقہ سے اس کی روک تھام کی اس کے بانیوں کو شدید سزائیں دیں اور انہیں میں قرۃالعین بھی تھی جس کو جلا کر مار ڈالا گیا۔
یہ ایک زبردست شاعرہ تھی۔ اس کا دیوان مکمل مطبوع ہوا لیکن اب نایاب ہے۔ چند شعر جو مجھے مل سکے درج کرتا ہوں۔ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتی تھی، اور خوب کہتی تھی۔ اس کے دیوان کا شروع یہ ہے۔

لمعات وجہک اشرقت بشعاع طلعتک اعتلا
زچہ روالست بربکم نزنی بزن کہ بلیٰ بلیٰ
بجواب طبل الست تو زدلے کہ کوس بلی زدند
ہمہ خیمہ زد بدر دلم سپہ غم و حشم بلا
چہ شود کہ حیرت آتشے بزنم بہ قبلۂ طور دل
فککتہ و دککتہ متدکد کامتزلزلا
من و مہر آں مہ خوبرو کہ زدہ صلائے بلا برد
بہ نشاط قہقہہ سد مرو کہ انا الشہید بکربلا
چو شنید نالۂ مرگ من پے ساز من شد و برگ من

فمشے الی مہر ولادبکی علی مجلجلا
تو کہ فلس ماہی حیرتی حوزنی بہ بحر وجود دم
بہ نشیں چہ طوطی دم بہ دم بشنو خردش لہنگ لا
جذبات شوقک الجمت لسلاسل غمۃ و البلا
ہمہ عاشقان شکستہ دل کہ دہند جاں برہ بلا
اگر آن صنم زرہ ستم بے کشتن من بیگنہ
لقد استقام بسیفہ فلقدر رضیت بما رضا
سحر نے نگار ستمگرم قدمے نہادہ بہ بسترم
واوا رائت جمالہ طلع الصباح کانما
تو کہ غافل از می و شاہدی پے مرد زاہد و عابدی
چہ کنم کہ کافر و جاہدی زخلوص نیت اصفیا
تو بہ ملک و جاہ سکندری من و رسم و راہ قلندری
اگر آں خوش است تو در خوری و گر ایں ست بد مرا سزا
بگذرز منزل ما و من بگزیں بملک فنا وطن
فاذا فعلت بمثل ما فلقد بلفت بما تشا
زچہ زلف غالیہ بار او زچہ چشم فتنہ شعار او
شدہ نافۂ بہمہ ختن شدہ کافی بہمہ خطا
پئی خوان نعمت عشق او ہمہ شب زخیل کروبیاں
رسد ایں صفیر مہیمنی کہ گروہ غم زدہ الصلا
ہلہ اے گروہ امامیاں بہ کشید ولولہ رامیاں
کہ ظہور دل بر ماعیاں شدہ فاش و ظاہر و برملا
گر تاں بود طمع لقا و رتان بود ہوس بقا
زوجود مطلق مطلقا برآن ضم کشو یدلا
لمعات اقدس بشارتے کہ ظہور حق شدہ برملا
بزن ای صبا تو بہ محضرش کہ بکردہ زندہ دلاں صلا
ہلد اے طوائف منتظر زعنایت شہ مقتدر
مہ مفتخر شدہ مشتہر مبتہیاً متجللا
شدہ طلعت صمدی عیاں کہ بپاک کند علم بیاں
کہ زوہم ہائے جہانیاں جبرو اقدس اعتلا
بتموج آمدہ ایں یے کہ بکر بلاش بخرمی
متظہر است بہر دمے دو ہزار وادیِ کربلا
صمدم زعالم سرمدم احمد زمنبع لاحدم
پئے اہل فہدۂ آمدم وہم الی لمقبلا
منم آں ظہور مہیمنی منم آں منیست بیمنی
منم آں سفینہ ایمنی ولقد ظہرت و قد علا
ہلہ اے گروہ عمائیاں بزنید ہلہلہ و لا
کہ جمال دلبرمائیاں شدہ فاشذ طاہر و برملا
بزنید نغمہ زہر طرف کہ زوجہ طلعت ما عرف
دفع القناع و قد کشف ظلم اللیال قد انجلا
طیر العماء تکفکفت دیک الثناء تصفصفت
ورق البہاء تدفدفت رکز و الیہ مہر ولا
دو ہزار احمد مصطفے زبروق آں شہ باصفا
شدہ مختفی شدہ در خفا متزملا متدثرا

کسے ارنکرد اطاعتش نگرفت حبل ولایتش
کندش بعید زساحتش دہدشز قہر با دلا

یہ ہیں اس آزاد بے باک شاعرہ کے خیالات جو اس قصیدہ میں ظاہر ہیں۔ بوجہ طول اس کے قصیدہ کے ترجمہ سے گریز کرتا ہوں۔ اور نہ کچھ اچھا سمجھتا ہوں کہ ترجمہ کیا جائے۔
***

ردیف کاف

کاملہ بیگم
دلی کی رہنے والی عہد اکبر شاہ کی ایک شاعرہ تھی۔ شاید شیخ فیضی وغیرہ سے کوئی تعلق رکھتی تھی۔ چنانچہ شیخ فیضی کے مرنے پر ایک رباعی دردناک لکھی ہے۔
فیضی مخور ایں غم کہ دلت تنگی کرد
یا پائے امید عمر تو لنگی کرد
میخواست کہ مرغ روح بیند رخِ دوست
زیں واسطہ از قفس شب آہنگی کرد

ترجمہ۔ فیضی غم نہ کھا اگر تو دل تنگ ہے یا تیری امید کے پاؤں میں دم نہیں ہے۔ مرغ روح یہ چاہتا تھا کہ رخ دوست دیکھے، اس واسطے قفس سے راتوں رات اڑ گیا۔
میرا ذاتی خیال ہے کہ شاید یہ مصنف اختر تاباں کی غلطی ہے۔ عجب نہیں اگر یہ رباعی فیضی ہی کی ہو۔
کنیز فاطمہ
شاہ سلیمان کابلی کی والدہ تھی۔ ایک یہ شعر اس کا ہے۔
سزد کہ فخر برد آسماں بہ دوارنم
کنیز فاطمہ و مادر سلیمانم

ترجمہ۔ آسمان اگر میرے زمانہ میں فخر کرے تو بجا ہے۔ میں فاطمہ کی کنیز اور سلیمان کی ماں ہوں۔
کوکب
ستارہ بانو نام۔ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ کی دختر نیک اختر کا تخلص ہے۔ نہایت تیز طبع ذہین اور عمدہ شاعرہ تھیں۔ سنا ہے کہ ایک مرتبہ کوئی شخص شیخ سے ملنے گیا۔ شیخ تشریف فرما نہ تھے۔ اس شخص نے آواز دی جواب ملا کہ وہ نہیں ہیں۔ چونکہ مکان بالکل معمولی حیثیت کا تھا۔ اس شخص نے یہ لکھ کر بھیج دیا۔
سعدیا شیراز یا نامت بس است
چوں بدیدم خانہ از خار و خس است

ستارہ بانوں نے جواب میں یہ شعر کہہ کر بھیج دیا۔
ہمرہاں رفتند و ماہم میرویم
از برائے چند روزہ ایں بس است

یہ شعر ستارہ بانو سے منسوب کیا جاتا ہے۔
عشق بازاں رو بسوئے قبلۂ آں کو کنید
ہر کجا محراب ابرویش نماید رو کنید

ترجمہ۔ اے عشق بازو اس گلی کے قبلہ کی طرف منہ کرو جہاں اس کے محراب ابرو کو دیکھو اسی طرف رخ کرو۔

***

ردیف کاف فارسی

گلبدن بیگم
بادشاہ ظہیرالدین بابر کی صاحبزادی تھیں۔ علوم رسمیہ سے نہایت اچھی طرح آگاہ تھیں۔ کبھی کبھی تفنن طبع کے لئے شعر بھی کہتی تھی۔ معلوم نہیں کیا کیا کہا ہو گا۔ میرے تذکرہ کے حصہ میں ایک شعر آیا ہے۔
ہر پری روئے کہ او با عاشق خود یار نیست
تو یقیں میداں کہ ہیچ از عمر برخوردار نیست

ترجمہ۔ جو پری رو کہ اپنے عاشق کا یار نہیں ہے۔ یقیں جانئیے کہ وہ اپنی عمر سے برخوردار نہیں ہو گا۔

گلچہرہ بیگم۔
شاہنشاہ بابر کی دوسری لڑکی کا نام ہے۔ باپ اور بڑی بہن کی طرح اس کا بھی کلام ضائع ہو گیا۔

ہیچ کہ آن شوخ گل رخسار بے اغیار نیست
راست بودست آنکہ در عالم گلے بے خار نیست

ترجمہ۔ کسی وقت وہ شوخ اغیار کے بغیر نہیں رہتا۔ سچ کہا ہے کہ دنیا میں پھول کانٹے کے بغیر نہیں ملتا۔
گُنّا بیگم۔
علی قلی خاں والۂ داغستانی کی صبیہ اور نواب اعتماد الدولہ دہلوی کی بیوی تھی۔ موزوں طبع خوش فکر شاعرہ تھی۔ اور اس قدر نازک تھی کہ نو برس کی لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ نو سو روپیہ کی برابر وزن تھا۔ یہ دو شعر اسی کے ہیں۔
تاکشیدی از نزاکت سرمۂ دنبالہ دار
شد عصائے آبنوسی چشم بیمار ترا
جگر پر سوز و دل پر خوں گریباں چاک و جاں بر لب
قضا را شرم می آید زسامانیکہ من دارم

ترجمہ: جب سے تو نے نزاکت کے ساتھ سرمۂ دنبالہ دار لگایا ہے۔ تو وہ تیری آنکھ کے واسطے عصائے آبنوسی بن گئی ہے۔ (2) جگر میں سوز، دل میں خوں، گریباں پھٹا ہوا، جان ہونٹوں پر۔ قضا کو اس سامان سے شرم آتی ہے جو میرے پاس ہے۔

گلشن۔
ایک شاعرہ دہلی کی رہنے والی تھی جو زمانہ صاحبقران شاہجہاں بادشاہ دہلی کے عہد میں زندہ تھی اب کلام نہیں ملتا۔ صرف چار پانچ شعر مل سکے۔
بخیال قدر رعنائے تو اے غیرت گل
سرو آہ است کہ از سینۂ گلشن برخاست
بے رخت خار نماید بہ چمن گل مارا
نالۂ زاغ بود نغمۂ بلبل مارا
در جہاں ہمچو چناریم کہ بادست تہی
ہر گز از جا نہ رود پائے توکل مارا

دُر شود قطرہ چو افتادہ زابر نیساں
رہنما سوئے ترقی است تنزل مارا

ترجمہ (1) اے غیرت گل تیرے قد رعنا کے خیال میں۔ سرو ایک آہ ہے کہ باغ کے سینہ سے نکلی ہے۔
(2) باغ تیرے جلوہ سے پری خانہ ہو گیا ہے۔ پھول کی بو تیری ہوا میں دیوانہ ہو گئی ہے۔
(3) تیرے رخسار کے بغیر باغ میں گل ہم کو کانٹا معلوم ہوتا ہے۔ نغمۂ بلبل نالۂ زاغ معلوم ہوتا ہے۔
(4) ہم دنیا میں چنار کی مانند ہیں کہ خالی ہاتھ ہیں مگر پائے توکل نہیں ڈگمگاتا۔
(5) قطرہ جب ابر نیساں سے گرتا ہے تو موتی ہو جاتا ہے۔ تنزل ہم کو ترقی کا رستہ بتاتا ہے۔

لالہ خاتون
مردانہ صفت عورت تھی جو ایک وقت میں خراسان کی حاکم تھی۔ اور نہایت عدل و داد کے ساتھ انتظام حکومت کرتی تھی۔ خود علوم میں کامل تھی اسی وجہ سے اہل کمال کی قدر دان رہتی تھی۔ اور سلوک کرتی رہتی تھی۔ اب اس کا ایک شعر مل سکا ہے۔
دوست جائے دیگر و من ماندہ ام در کوئے دوست
از در و دیوار کوئے دوست آید بوئے دوست
دوست دوسری جگہ ہے اور میں دوست کی گلی میں رہ گیا ہوں۔ دوست کی گلی کے در و دیوار سے بوئے دوست آتی ہے۔

***

ردیف میم

ماہؔ
ایک منجملہ کا تخلص ہے۔ یہ شاعرہ جام کی رہنے والی اور ملا جامی کی معاصر تھی۔ یوں تو اس کی شعر و شاعری مشہور تھی مگر آج صرف ایک یہ شعر ملتا ہے۔ جو اس نے اپنے شوہر کے مرثیہ میں کہا تھا۔
کوکب بختم کہ بود از وے منور آسماں
بنگر اے مہ کز فراقت در زمیں ست ایں زماں

ترجمہ۔ میری قسمت کا ستارہ کہ اس سے آسمان روشن تھا۔ اے میرے چاند دیکھ کہ تیری جدائی میں اس وقت وہ زمین میں نظر آتا ہے۔

ماہ لقاؔ
اس شاعرہ کا اصلی نام چندا پری تھا۔ حیدر آباد کی رہنے والی تھی۔ گانے بجانے والی عورت تھی۔ نواب نظام علی خاں خلف نواب نظام الملک آصف جاہ کی نوکر تھی۔ بہت مال دار تھی۔ جب انتقال ہوا تو اتنا مال اسباب چھوڑا کہ ایک معقول رقم اس کی نوچیوں پر تقسیم ہوئی۔ اہل قلم اور اہل سیف دونوں فرقوں کی قدر دان تھی اور ان کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آتی تھی۔ مردانہ بھیس بدل کر گھوڑے پر سوار ہوتی تھی اور سیر کرتی تھی۔
ماہ لقا نے اپنا روپیہ بہت سے نیک کاموں میں صرف کیا۔ چنانچہ اپنی زندگی میں ایک مسجد بنوائی تھی۔ ایک اس کی تاریخ کے لئے فرمائش کی۔ شوخ طبع شاعر نے یہ بے مثل اور لاجواب تاریخ کہی۔
چو محرابش سجود خاص و عام است
فلک گفتار کہ ایں بیت الحرام است

شیر محمد خاں ایمانؔ سے اصلاح لیتی تھی۔ نہایت پُر گو تھی۔ پورا دیوان جمع کر لیا تھا۔ مگر وہ دیوان 1799ء میں خود ہی جنرل مالکم کو بطریق تحفہ دے دیا تھا۔ جو سنا ہے کہ اب بھی یورپ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس کا مقبرہ حیدر آباد میں مشہور و معروف ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔

بروز حشر الٰہی چو نامہ عملم
کنند باز کہ آں روز کہ آں روز باز خواہ من است
بکن مقابلہ آں را بہ سر نوشت ازل
کمی و بیشی اگر باشد آں گناہ من است

ترجمہ۔ یا اللہ باز خواہی یعنی قیامت کے دن جب میرا نامۂ اعمال کھولیں تو اس کو میرے سرنوشت ازل سے مقابلہ کر لینا اگر اس سرنوشت میں کوئی کمی بیشی کی ہو تو میں گناہ گار

گرانی میکند بار تبسم لعل جاناں را
کہ آں لب از نزاکت بر ندارد سرخی پاں را

ترجمہ۔ تبسم کا بوجھ میرے معشوق کے لب پر گرانی کرتا ہے۔ کیونکہ وہ لب نزاکت کی وجہ سے سرخیِ پان کا بھی متحمل نہیں ہے۔

ماہیؔ

مُلا نثاری کی بہن تھی۔ جلائر کی رہنے والی تھی۔ نظم و نثر میں ماہر تھی۔ نمونۂ کلام۔

اشکے کہ 1 سر زگوشۂ چشمم بروں کند
بر روئے من نشیند و دعوائے خوں کند

ترجمہ۔ جو آنسو میری آنکھ سے نکلتا ہے منہ پر بیٹھ کر خون کا دعویٰ کرتا ہے۔

محویؔ

ایک عورت قم کی رہنے والی تھی۔ جو کبھی کبھی شعر کہتی تھی۔ عربی میں بھی اس کا کلام ہے۔

آبرو در زند من بہتر از آب زندگی
چشمۂ حیواں زچشم آفتاب افتادہ است

1۔ یہ شعر ایک دوسری شاعرہ کے کلام میں بھی آیا تھا۔

ترجمہ۔ آبرو میرے نزدیک آب زندگی سے بہتر ہے۔ چشمۂ حیوان آفتاب کی نظروں سے گر گیا ہے۔

می نماید عکس مہ در آب با صد پیچ و تاب
زاں گل عارض مگر بند نقاب افتادہ است

ترجمہ۔ چاند کا عکس پانی میں پیچ و تاب کھاتا دکھائی دیتا ہے۔ اس گل عارض سے شاید بند نقاب کھل گیا ہے۔

نیست ایں خال سیہ بر بیت ابروئے خوشت
نقطۂ از کلک قضا در انتخاب افتادہ است

ترجمہ۔ تیری خوبصورت ابرو پر یہ سیاہ خال نہیں ہے۔ بلکہ قلم قضا سے یہ نقطہ انتخاب کے وقت گر گیا ہے۔

مخدومہؔ
یزد کی رہنے والی ایک شاعرہ تھی۔ کبھی کبھی شعر کہتی تھی۔ یہ اس کا کلام ہے۔
شب عربدہ با محنت ہجراں کردم
با او دل و جاں دست گریباں کردم
چوں دیدم از ورویٔے خلاصی مشکل
جاں دادم و کار بر خود آساں کردم

ترجمہ۔ رات میں نے جدائی کی محنت سے مقابلہ کیا۔ اور دل و جان سے اس کے ساتھ دست و گریبان رہی (2) جب میں نے اس کے پنجہ سے چھوٹنے کی صورت نہ دیکھی۔ مجبوراً جان دے کر اپنا پیچھا چھڑایا۔

مستورہؔ
کردستان کی رہنے والی ابو الحسن بیگ کی صبیہ اور خسرو خاں کی منکوحہ تھی۔ نہایت نازک مزاج خوبرو خوش خو اور سلیقہ شعار عورت تھی۔ ماہ شرف اس کا نام تھا۔ شعر و شاعری سے فطری دلچسپی رکھتی تھی۔ اور نہایت عمدہ شعر کہتی تھی۔
نمونہ کلام یہ ہے۔
می سوزم و می نالم پیوستہ بہجرانت
رحمے بدل و جانم دست من و دامانت
دل خستہ و محزونم از نرگس بیمارت
سرگشتہ و مجنونم از زلف پریشانت
دہن و لعل لو دیدہ و گیسوئے تو ام
از نبات و شکر و نرگس سنبل خوشتر
گوش بر موعظۂ بیہدۂ شیخ مدار
زیں ہمہ قول و فسوں ساغری از مل خوشتر
نہ تنہا من بدام زلف مشکنیش گرفتارم
ہزاراں عاشق سرگشتہ وار وجعد طرارش
فشاند جان شیریں در رہش از شوق مستورہؔ
دہد از مہر گر خسرو بہ بزم خویشتن بارش
گرم خسرو چو شیرین از وفا پا بست تمودے
بعالم خویش را رسوا ترا زفرہاد میکردم
ہر کس بہ دلا رامے وار و سر و سودائی
تو شوخ پری پیکر آرام دل مائی
عالم ہمہ گردیدم آفاق نور دیدم
در کشور نیکوی بنود چو تو زیبائی

ترجمہ (1) میں ہمیشہ تیری جدائی میں جلتا ہوں اور روتا ہوں۔ خدا کے لئے میرے دل و جان پر رحم کر۔
(2) میں رنجیدہ اور دلخستہ ہو رہا ہوں تیری
جدائی میں تیری زلف پریشاں سے سرگشتہ اور مجنوں بنا ہوا ہوں۔
(3) تیرا منہ، ہونٹ، آنکھیں، زلف مجھے مصری، شکر، نرگس اور سنبل سے اچھی معلوم ہوتی ہیں۔
(4) واعظ کے بیہودہ اقوال کی طرف توجہ مت کر۔ ان تمام قولوں اور منتروں سے ایک شراب کا بھرا ہوا پیالہ اچھا ہوتا ہے۔
(5) ایک اکیلا میں ہی اس کی زلف مشکیں کے جال میں پھنسا ہوا نہیں ہوں۔ ہزاروں عاشق سرگشتہ ایسے ایسے اس کی زلفوں میں گرفتار ہیں۔
(6) مستورہؔ شوق سے اپنی جان شیریں قربان کر دے۔ اگر محبت سے خسرو اپنی بزم میں بلائے۔

(7) اگر بادشاہ مجھ کو شیریں کی طرح محبت کا پابند نہ کر دیتا تو میں اپنے آپ کو دنیا میں فرہاد سے زیادہ بدنام کرتی۔
(8) ہر کوئی کسی معشوق سے دلچسپی اور عشق رکھتا ہے۔ اے شوخ پری پیکر تو ہمارے دل کا آرام ہے۔
(9) میں تمام زمانہ میں پھرا مگر حسن کی ولایت میں تجھ سا کوئی نہ پایا۔

مشتریؔ
زہرہ طوائف لکھنؤ کی بہن تھی۔ یہ بھی آغا علی شمس سے اصلاح لیتی تھی۔ اب دو شعر اس کے تذکروں میں پائے جاتے ہیں۔ ورنہ یہ اردو فارسی دونوں زبانوں کی شاعرۂ کاملہ تھی۔
بسکہ در اطراف عالم رفت نام مشتریؔ
راجگان گشتند جو گی ہمچو راجہ بھرتری
با گلبدنے لالہ غدارست دل ما
آئینہ در دست بہارست دل ما

ترجمہ۔ (1) چونکہ اطراف عالم میں مشتریؔ کا نام ہو گیا ہے۔ تو اس کے لئے راجہ جو گی ہو گئے ہیں جیسے راجہ بھرتری جو گی ہو گیا تھا۔
(2) ہمارا دل ایک گلبدن لالہ غدار کے پاس ہے۔ بلکہ یوں سمجھو کہ ایک آئینہ ہے جو بہار کے ہاتھ میں ہے۔

مطربہؔ
اصل میں کاشغر کی رہنے والی تھی۔ نہایت کامل الفن تھی۔ طغان شاہ کے زمانہ میں زندہ بلکہ اسی بادشاہ ذی جاہ کے حرم میں تھی۔ جب طغان شاہ کا انتقال ہوا تو مطربہ کو بڑا صدمہ ہوا اور اسی غم میں ایک مرثیہ لکھا۔ اسی مرثیہ کے یہ شعر ہیں۔
بطریق رباعی۔
در ماتمت اے شاہ سیہ شد روزم
بے روئے تو دیدگان خود بردوزم
تیغ تو کجاست اے دریغا تا من
خوں ریختن از دیدہ با و آموزم

ترجمہ۔ تیرے ماتم میں اے بادشاہ میں سیہ روز ہو گئی۔ تیرے دیدار کے بغیر میں اپنی آنکھوں کو سی لوں۔
(2) تیری تلوار کہاں ہے تاکہ میں اس کو خون رونا سکھاؤں۔

مہریؔ
ہرات کی رہنے والی تھی۔ شاہ رخ مرزا گورگاں کے زمانہ میں بقید حیات تھی۔ گوہر شاہ بیگم کی مصاحب تھی۔ حکیم عبد العزیز کی بیوی تھی۔ جو میرزائے مذکور کے ایک خاص طبیب تھے۔ مہری اور حکیم موصوف میں اکثر چوٹیں چلا کرتی تھیں۔ تذکرۂ آتشکدۂ اذر اور تذکرۂ مرأۃ الخیال میں یہ قصہ لکھا ہے کہ ایک روز مہری قصر جہاں نما پر نور بیگم کے پاس بیٹھی تھی۔ اتفاقاً مہری کے شوہر خواجہ حکیم آتے دکھائی دئے۔ بیگم کو کچھ ترنگ سوجھی۔ انہوں نے مہری سے کہا کہ حکیم صاحب کو ذرا جلد بلاؤ۔ چنانچہ خواجہ حکیم سے کہا گیا۔ انہوں نے جلدی چلنا چاہا۔ مگر بڑھاپے کے ضعف نے جلد جلد قدم نہ اٹھانے دیا۔ اور کچھ عجیب و غریب حرکات دکھائی دیں۔ بیگم کو ہنسی آئی اور مہری سے کہا کہ خواجہ کی انہیں حرکتوں کو نظم کر کے ہم کو سناؤ۔ مہری نے یہ فی البدیہہ دو شعر کہے۔
مرا با تو سر یاری نہ ماندہ
دل مہر و وفاداری نماندہ
ترا از ضعف پیری قوت زورد
چنانکہ پائے بر داری نماندہ

ترجمہ (1) مجھے اب تیرے ساتھ دوستی کا خیال نہیں رہا۔ محبت اور وفاداری کو جی نہیں چاہتا۔

(2) تجھ میں ضعف پیری کی وجہ سے اتنا قوت اور زور بھی باقی نہیں کہ ٹانگ اٹھا سکے۔ یہ سن کر بیگم نہایت خوش ہوئی۔ اور اس کو صلہ دیا۔ مہری کے کلام کا نمونہ یہ ہے۔

بیخ ہر خارے کہ آن از خاک من حاصل شود
زاہدا رمسواک سا زدمست و لایعقل شود
کردم بر اوج برج مہ خویشتن طلوع
ہاں اے حکیم طالع مسعود من نگر
حل ہر نکتۂ کہ از پیر خرد مشکل بود
آزمودیم بیک جرعۂ مے حاصل بود
گفتم از مدرسہ پرسم سبب حرمت مے
در ہر کس کہ زدم آں خر لا یعقل بعد
خواستم سوز دل خویش بگویم با شمع
داشت خود او بزباں آنچہ مرا در دل بود
در چمن صبحدم از گریہ و زاری دلم
لالہ سوختہ خوں در دل و پا در گل بود
آنچہ از بابل و ہاروت روایت کردند
سحر چشم تو بدیدم ہمہ را شامل بود
دولتے بود تماشے رخت مہریؔ را
حیف صد حیف کہ ایں دولت مستعجل بود

ترجمہ (1) جس کانٹے دار درخت کی جڑ کہ میری خاک سے حاصل ہو گی۔ زاہد اگر مسواک کرے تو مست اور بے عقل ہو جائے۔
(2) میں نے اپنے چاند کے برج اوج پر طلوع کیا۔ اے حکیم ذرا میرے طالع مسعود کو دیکھ۔
(3) جس نکتہ کا حل کہ پیر خرد سے مشکل تھا۔ میں نے آزمایا تو ایک گھونٹ شراب مین وہ مقصد حاصل ہو گیا۔
(4) میں نے کہا کہ مدرسہ میں حرمت مے کا سبب پوچھوں گا۔ جس کسی کے دروازہ پر گیا وہی بے وقوف نکلا۔
(5) میں نے چاہا کہ اپنے دل کا سوز شمع سے کہوں اس کی زبان پر خود وہی بات تھی جو میرے دل میں تھی۔
(6) چمن میں صبح دم دل کی گریہ و زاری سے لالہ سوختہ خون تھا اور کیچڑ میں پاؤں پھنسا ہوا تھا۔
(7) جو کچھ کہ بابل اور ہاروت کا قصہ مشہور کیا ہے۔ تیری آنکھوں کا جادو سب میں شامل تھا۔
(8) تیرا نظارہ مہریؔ کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ تھا۔ افسوس صد افسوس کہ یہ دولت جلد واپس لے لی گئی۔
تذکرہ آتش کدۂ آذر میں لکھا ہے کہ مہری کو بیگم کے بھانجے سے تعلق خاطر تھا۔ اور یہ واقعہ اتنا مشہور ہو گیا تھا کہ شدہ شدہ اس بات کی شوہر کو خبر ہو گئی چنانچہ یہ معاملہ بادشاہ تک پہنچا اور حکیم صاحب کے اشارہ اور بادشاہ کے حکم سے مہری کو قید کر دیا گیا۔ قید کی بے پایاں مشقت پڑی تو مہری نے ایک رباعی کہہ کر بیگم کو بھیجی۔ مگر یہ واقعہ غالباً صاحب تذکرہ کی غلطی سے درج ہوا ہے بلکہ در اصل اس مہری کے ساتھ متعلق ہے جس کا ذکر لکھا جا چکا ہے۔
مہستیؔ
کنجہ کی رہنے والی ایک عورت کا نام تھا۔ بعض اہل تذکرہ کا خیال ہے کہ نیشا پور کی اور بعض کہتے ہیں بدخشاں کی رہنے والی تھی۔ سلطان سنجر کے زمانہ میں نہایت عزت و جاہ کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی۔ شعر کہتی تھی اور طبیعت اس فن کے نہایت مناسب پائی تھی۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ سلطان کی محفل عیش گرم تھی۔ شراب و کباب ساقی مغنی و سرود کا دور رہتا تھا۔ مہستی کو کچھ ضرورت ہوئی باہر جانا پڑا۔ جاڑے کا موسم تھا اور سردی اپنے شباب کی بہار دکھا رہی تھی۔ مہستی باہر گئی تو دیکھا کہ برف چاروں طرف جمی ہوئی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ غریب مہستی کانپتی ہوئی واپس آئی۔ بادشاہ نے واقعہ پوچھا۔ اس نے فی البدیہہ رباعی کہہ کر سنائی۔
شاہ فلکت اسپ سعادت زیں کرد
و زجملہ خسرواں ترا تحسیں کرد
تا در حرکت سمندر زریں نعلت

بر گل نہ نہد پائے زمیں سیمیں کرد

ترجمہ (1) اے بادشاہ آسمان نے تیرے لئے سعادت کا گھوڑا کس کر تیار کیا ہے۔ اور تمام بادشاہوں کے مقابلہ پر تیری تحسین کی ہے۔
(2) تیرا گھوڑا جس کے زریں نعل جڑے ہوئے ہیں۔ تاکہ مٹی پر پاؤں نہ رکھے اس لئے آسمان نے زمین کو سیمیں بنا دیا ہے۔
مہستی نہایت زود گو اور پُر گو تھی۔ بلکہ اس کا دیوان شعر بھی مرتب ہو چکا تھا۔ بعض تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں عبد اللہ خاں اوزبک نے تسخیر ہرات کے لئے حملہ کیا ہے شاید اس وقت اس کا دیوان برباد ہو گیا۔

قصاب چنانکہ عادت اوست مرا
بفگند و بکشت و گفت این خوست مرا
سر باز بہ عذر می نہد برپایم
دم مید ہدم تا بہ کند پوست مرا

افسوس کہ اطراف گلت خار گرفت
زاغ آمد و لالہ را بہ منقار گرفت
سیمات زنخداں تو آور دمداد
شنجرف لب لعل تو زنگار گرفت

شب ہا کہ بناز با تو خفتم ہمہ رفت
در ہا کہ نبوک غمزہ سفتم ہمہ رفت
آرام دل و مونس جانم بودی
رفتی و ہرانچہ با تو گفتم ہمہ رفت

قصہ چہ کنم کہ اشتیاق تو چہ کرد
بامن دل پر زرق و نفاق تو چہ کرد
چوں زلف دراز تو شبے می باید
تا با تو بہ گویم کہ فراق تو چہ کرد

ہر شب زغمت تازہ عذابے بینم
در دیدہ بجائے خواب آ بے بینم
وانگہ کہ شو نرگس تو خوابم ببرد
آشفتہ تر از زلف تو خوابے بینم

من عہد تو سخت سست میدانستم
بشکستن آں درست میدانستم
ہر دشمنی ایدوست کہ بامن کر دی
آخر کر دی نخست میدانستم

در دام غام تو خستۂ نیست چو من
و زجور تو دل شکستۂ نیست چو من
برخاستگاں جور تو بسیاراند
لیکن بہ وفا فانشستۂ نیست چو من
ترجمہ (رباعی) (1) قصاب نے اپنی عادت کے موافق مجھے گرایا اور مار ڈالا اور کہا کہ میری یہی عادت ہے۔ اب پھر عذر

کے لئے میرے قدموں پر سر رکھ رہا ہے۔ اور مجھے دم دیتا ہے کہ میری کھال کھینچ لے۔
(رباعی نمبر 2) افسوس کہ تیرے پھول کے اطراف پر کانٹوں نے قبضہ کر لیا گویا کوا لالہ کا پھول چونچ میں لئے ہوئے ہے۔ تیری ٹھوڑی کے پارہ پر سیاہی جم گئی ہے۔ تیرے ہونٹوں کے شنجرف پر زنگ لگ گیا۔
(رباعی نمبر 3) راتوں کو جو میں تیرے پاس ناز کے ساتھ سویا تھا، سب برباد ہو گیا۔ وہ موتی کہ میں نے نوک غمزہ کے ساتھ پروئے تھے، سب برباد ہو گئے۔ تو میرا آرام دل تھا اور میری جان کا رفیق تھا۔ تو چلا گیا تو تیرے ساتھ جو کچھ میں نے کہا سب برباد ہو گیا۔
(رباعی نمبر 4) اب کیا قصہ بیان کروں کہ تیرے اشتیاق نے کیا کیا۔ تیرے مکر بھرے ہوئے دل نے کیا کیا۔ تیری زلف کی طرح ایک دراز رات چاہیے تب میں تجھ سے بیان کروں کہ تیری جدائی نے مجھے سے کیا سلوک کیا۔
(رباعی نمبر 5) تیرے غم سے ہر رات کو ایک تازہ عذاب اٹھانا پڑتا ہے آنکھوں میں بجائے نیند کے پانی رہتا ہے۔ اور پھر جب تیری آنکھوں کی طرح میں سو جاتا ہوں تو تیری زلفوں سے زیادہ پریشان خواب دیکھتا ہوں۔
(رباعی نمبر 6) میں تیرے عہد کو بہت کمزور سمجھتا تھا اور اس کے ٹوٹنے کو یقینی جانتا تھا۔ تو نے اے دوست میرے ساتھ جو دشمنی کی۔ بہت دیر میں کی۔ میں نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا۔
(رباعی نمبر 7) تیرے غم کے جال میں میری طرح کوئی خستہ نہیں ہے۔ اور تیرے جور سے مجھ سا کوئی دل شکستہ نہیں ہے۔ تیرے ظلم سے جو لوگ اٹھ گئے وہ بہت ہیں لیکن وفا کے لئے کوئی میری طرح بیٹھا ہوا نہیں ہے۔

ان لطیف رباعیوں کے بعد غزل کا نمونہ بھی دیکھئے۔ اور لطف اٹھائیے۔
جام را برکف دست تو نشست دگراست
ید بیضا دگر دوست تو دست دگراست

از من طمع وصال داری
الحق ہوس محال داری
وصلم نتواں بخواب دیدن
ایں چیست کہ در خیال داری
جائیکہ صبا گذر ندارد
آیا تو کجا مجال داری

(شعر 1) پیالہ تیرے ہاتھ پر رکھا ہوا اور ہی طرح کا معلوم ہوتا ہے۔ ید بیضا اور ہے اور تیرا ہاتھ اور ہے۔
(شعر 2) تو مجھ سے وصال کی طمع رکھتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ ایک بے کار کی ہوس ہے۔
(شعر 3) میرا وصل خواب میں بھی ممکن نہیں ہے۔ یہ تیرے کیا خیال ہیں۔
(شعر 4) جہاں ہوا کا بھی گزر نہ ہو۔ میری کیا مجال ہے۔

غزل کے آخری شعر واقعات پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔ مہستی ظرافت کے شعر بھی کہتی تھی۔ مگر میں یہاں ان کا لکھنا پسند نہیں کرتا۔

مہری ہرویہ
ایک نہایت حسین خوب صورت اور بے باک عورت تھی۔ ایک بادشاہ ایران کی بیگم بنی ہوئی تھی مگر چونکہ نہایت ہی آزاد مزاج بے باک تھی۔ اسی واسطے ایک جوان پر عاشق ہو کر فعل شنیع کی مرتکب ہوئی مگر بدقسمتی سے سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔ گرفتار ہو گئی۔ اور عتاب شاہی کی مستوجب قرار پائی۔ قید میں ڈال دی گئی۔ مگر شوخی نے گدگدایا۔ یہ رباعی موزوں کر کے بادشاہ کی خدمت میں بھیجی۔ چونکہ اس رباعی کا لطف اسی میں ہے اس لئے میں ترجمہ کرنا نہیں چاہتا۔
شہ کندہ نہاد سر و سیمیں تن را
زیں واقعہ شیوں مرد و زن را
افسوس کہ برکندہ نیاید سودن
پائیکہ دو شاخہ بود صد گردن را

چونکہ مولانا عبد الرحمن جامی کی معاصر تھی۔ لہذا ایک مرتبہ ان سے ناراض ہوئی اور یہ ہجو کہہ ڈالی۔
اے شاہِ مبارزان و شیر یزداں
آزردہ شد از دست دو عبد الرحمن
آں یک پسر ملجم و دیگر جامی
آں زخم سناں زدست و ایں تیغ زباں

چونکہ شوہر بڈھا تھا اور خود جوان جہاں تھی اس وجہ سے ہمیشہ شوہر سے آزردہ رہتی تھی۔ چنانچہ ان رباعیات سے پتہ چلتا ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔
ہر گز کامم رخفت و خوابم ندہی
شب با تو سخن کنم جوابم نہ دہی
من تشنہ لب و تو خضر وقتم گوئی

از بہر خدا چہ شد کہ آبم نہ دہی
در خانہ تو آنچہ مرا شاید نیست
بندے زدل رمیدہ بکشاید نیست
گوی ہمہ چیز دارم از مال و منال
آ رے ہمہ ہست وانچہ می باید نیست

شوے زن نوجواں اگر پیر بود
چوں پیر بود ہمیشہ دلگیر بود
ارے مثل است اینکہ زناں میگویند
در پہلوے زن تیر بہ از پیر بود

گفتم کہ مرا از نظر اندختہ
گفتا کہ بمہر دگراں ساختہ
گفتم کہ ترا شناختم بے مہری
گفتا کہ مرا ہنوز نہ شناختہ

ترجمہ (1) ہر گز میرا مطلب سونے سے تو پورا نہیں کرتا۔ رات کو میں تجھ سے باتیں کرتی ہوں تو جواب بھی نہیں دیتا۔
(2) میں پیاسی ہوں اور تو میرے وقت کا خضر ہے۔ خدا کے لئے مجھ کو بتا تو سہی کیا ہو گیا کہ تو مجھ کو پانی نہیں دیتا۔
(3) تیرے گھر میں جو کچھ مجھے چاہیے نہیں ہے۔ ایسی چیز جو دل سے غم دور کرے، نہیں ہے۔
(4) تو کہتا ہے مال و متاع کی میں سب چیزیں رکھتا ہوں۔ سچ ہے سب کچھ ہے بس جو کچھ چاہیے وہی نہیں ہے۔
(5) نوجوان عورت کا شوہر اگر بڈھا ہو وہ عورت بڑھیا کی طرح ہمیشہ رنجیدہ رہے گی۔
(6) سچ ہے عورتیں یہ کہتی ہیں کہ عورت کے پہلو میں بڈھے سے تیر کا ہونا اچھا۔
(7) میں نے کہا کہ تو نے مجھے نظر سے گرا دیا ہے تو کہنے لگا کہ تو نے دوسروں سے محبت کر لی ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے تجھے پہچان لیا ہے تو بے وفا ہے۔ تو بولا کہ ابھی تو نے مجھے نہیں پہچانا ہے۔

طفل اشکم ہمیشہ در نظراست
چہ توانکرد پارۂ جگراست
میر و دیار و مدعی از پے
خوب دزشت زمانہ درگزر است
آں خال عنبریں کہ نگارم برد زدہ

دل می برد از آنکہ بوجہ نکو زدہ
قصاب وار مردم چشمم بچا بکی
مژگاں قنارہ کرد و دلہا برد زدہ
عشاق سر بسر ہمہ دیوانہ گشتہ اند
تا او گرہ بہ سلسلۂ مشکبو زدہ
آں قدرہا نہ شکست ایں دل غم پیشۂ ما
کہ دگر شیشۂ تواں ساختن از شیشۂ ما
ہمچو آئینہ کہ گردد زچمن عکس پذیر
نقش اندیشہ مہری است در اندیشۂ ما

ترجمہ (1) طفل اشک ہمیشہ میری نظر میں رہتا ہے۔ کیا کیا جائے اپنے جگر کا ٹکڑا ہے۔
(2) یار جا رہا ہے اور دشمن اس کے پیچھے پیچھے ہے۔ زمانہ کا اچھا برا سب گزر رہا ہے۔
(3) وہ کال عنبریں کہ میرے معشوق نے منہ پر لگایا ہے۔ چونکہ بہت اچھے طریقہ سے لگایا ہے اس لئے بہت دلکش ہے۔
(4) قصاب کی طرح اس کی آنکھوں کی پتلیوں نے پلکوں کو چالاکی سے قنارہ بنا کر دل کو اس کے اوپر لگایا ہے۔
(5) عاشق تمام دیوانے ہو گئے ہیں۔ جب سے کہ اس نے زلف عنبریں میں گرہ دی ہے۔ ہمارا غمگیں دل اتنا نہیں ٹوٹا ہے کہ دوبارہ اس شیشہ سے شیشہ بنا سکیں۔
(6) آئینہ کی طرح کہ چمن سے عکس پذیر ہو جائے مہری کا نقش اندیشہ ہمارے اندیشہ میں ہے۔

***

ردیف نون

نسائیؔ
سادات محروسہ نسا میں سے تھی جو ملک خراسان میں سے ہے۔ شعر نہایت عمدہ کہتی تھی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔
دردم زیادہ میشود و کم نمی شود
گفتم بہ صبر چارہ کنم ہم نمی شود
شادم اگر دللم زتو بے غم نمی شود
بارے غم تو از دل من کم نمی شود
مرہم نہاد بر دلم آں بے وفا کہ عمر
بہ گزشت و دردمندی آں کم نمی شود
سازد بداغ ہجر نسائیؔ خاکسار
چوں خاطرش بوصل تو خرم نمی شود
عاشقی با قامت ابرو کمندے کردہ ایم
باہمہ پستی تمنائے بلندی کردہ ایم
بہ عالم ہر کرابینی بدل درد و غمے دارد
زدست غم منال ایدل کہ غم ہم عالمی دارد

ترجمہ (1) میرا درد زیادہ ہوتا ہے اور کم نہیں ہوتا۔ میں نے کہا کہ صبر سے کچھ علاج کروں تو وہ بھی نہیں ہوتا۔
(2) میں خوش ہوں اگر میرے دل سے تیرا غم نہیں جاتا۔ یہ کیا کم ہے کہ تیرا غم میرے دل میں ہے۔
(3) میری دوائی کے لئے اے طبیب مرہم مت لا۔ کہ یہ عاشقی کا درد ہے جو مرہم سے کم نہیں ہوتا۔
(4) میرے دل پر اس بے وفا نے وہ داغ لگایا ہے کہ عمر گزر گئی اور اس کا درد نہیں جاتا۔
(5) نسائیؔ خاکسار درد ہجو سے اختلاط کر رہی ہے کیا کرے اس کا دل تیرے وصل سے خوش نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اسے

میسر نہیں ہے۔
(6) ہم نے ایک ابرو کمند سے عشق کیا ہے۔ باوجود اس پستی کے بلندی کی تمنا ہے۔
(7) دنیا میں تو جس کو دیکھے کوئی نہ کوئی غم اس کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ غم کے ہاتھ سے مت رو کہ غم کا بھی ایک عالم ہے۔
نظیرؔ
شیراز کی رہنے والی اور مرزا امان اللہ جو وہاں کے ایک نامور رئیس تھے، کی بیوی تھی۔ شعر کہتی تھی۔ مگر اب ایک دو شعر اس سے یادگار ہیں۔
مگر آں سر و چماں سوے چمن می آید
کز چمن رائحہ مشک ختن می آید
شوخ عاشق کش من اینہمہ بے باک مباش
کہ ہنوز از لب تو بوئے لبن می آید

ترجمہ (1) شاید وہ سر وچماں چمن کی طرف آتا ہے کہ باغ سے مشک ختن کی خوشبو آتی ہے۔
(2) اے میرے شوخ عاشق کش اس قدر بے باک نہ ہو کہ ابھی تیرے منہ سے دودھ کی بو آتی ہے۔

نورؔ
جہانگیر کی عزیز ترین بیگم نور جہاں کا تخلص ہے۔ بعض اہل تذکرہ نے بیگم کا تخلص مخفی لکھا ہے۔ مگر میں چونکہ اسی کو زیادہ قریں قیاس جانتا ہوں اس واسطے اسی تخلص سے لکھتا ہوں۔
نور جہاں کے دادا محمد شریف طہران سے آئے وہیں پیدا ہوئے تھے اور وہیں کے شاہی خاندان کے متوصلین و متعلقین میں سے تھے۔ آخر میں شاہ طہماسپ صفوی کے زمانہ میں مرو کی گورنری پر مامور ہوئے۔ دولت اور مال کے رشک و حسد نے پورے دربار کو ان کا دشمن جان بنا دیا تھا۔ اور مخالفین سیکڑوں تدبیروں میں مصروف تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی آنکھ بند ہوتے ہی تمام درباری ان کے بیٹے مرزا غیاث پر ٹوٹ پڑے اور اس روپیہ کا مطالبہ کیا جو محمد شریف کے ذمہ غصب کرنا ثابت کیا گیا۔ مرزا غیاث حریفوں کے اس دل شکن حملہ کی تاب نہ لا سکے اور معہ اپنے متعلقین کے ہندوستان کی طرف بھاگے۔ حاملہ بیوی اور اپنے دوسرے متعلقین کو ساتھ لیا۔ یہ واقعہ 1577 ھ میں رونما ہوا۔ راستہ ہی میں جب قندھار پہنچے تو حالت مسافرت میں نور جہاں پیدا ہوئی۔ ماں باپ سخت پریشان تھے۔ کہ یا اللہ کیا کریں مسافرت کا عالم، کس مپرسی، مفلسی، نہ کوئی یار نہ مدد گار۔ انتہا یہ کہ جس دن نور جہاں پیدا ہوئی اس روز اس کی ماں کئی وقت کے فاقہ سے تھی۔ لیکن پھر بھی بچی نہایت توانا اور تندرست تھی۔ چونکہ دم لینے کی مہلت نہ تھی۔ مجبوراً پھر سفر کی ٹھہری۔ مرزا غیاث کے دل پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کی گریہ و زاری، کئی کئی وقت کا فاقہ، سفر کا تکان، منہ پر گرد جمی ہوئی، پاؤں سوجے ہوئے، بیوی انتہا سے زیادہ کمزور مگر مجبوراً گھوڑے پر سوار۔ نوزائیدہ بچی کو گود میں لئے صعوبتوں پر صعوبتیں سہتے سہتے مرزا کا دل چور ہو گیا۔ بچہ کو سنبھالیں یا راستہ طے کریں۔ کیا کریں۔ غرض یہ طے ہوا کہ بچی کو کہیں جنگل میں ڈال دیں۔ چنانچہ یہی ہوا۔ دل پر جبر کا پتھر رکھا اور بچی کو ایک جھاڑی میں دال کر آگے چل کھڑے ہوئے۔ مگر حافظ حقیقی نگہبان تھا۔ نور جہاں رات بھر جھاڑی میں پڑی رہی نہ کسی درندے نے کوئی آزار پہنچایا نہ کسی موذی جانور نے ستایا۔
دوسرے دن ایک قافلہ ادھر سے گزر رہا تھا۔ قافلہ کے ایک سوداگر نے بچی کو دیکھا، دل بھر آیا اور اٹھا لیا۔ بچی کی پرورش کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اور آگے چل کھڑا ہوا۔ اب اتفاق دیکھئے کہ مرزا غیاث کا مصیبت زدہ قافلہ کچھ دور جا کر تھک کر ایک جگہ ٹھہر گیا تھا کہ اتنے میں ملک مسعود ننھی سی بچی کو گود میں لئے پہنچا۔ اور جہاں یہ لوگ ٹھہرے ہوئے تھے وہیں ٹھہر گیا۔ اب تلاش ہوئی کہ بچی کو دودھ پلانے والی کہاں سے آئے۔ چنانچہ اپنے آدمیوں کو بھیجا کہ دودھ پلانے کے لئے کسی عورت کو تلاش کریں۔ آخر کار مرزا کی بیوی دودھ پلانے کے لئے تجویز ہوئی۔ مگر ملک مسعود نے جب تباہی اور بربادی کا پورا قصہ سنا تو آنسو بھر آئے۔ پہلے بچی کو حوالہ کیا اور پھر پوری امداد کرتا رہا۔ تا آں کہ مصیبت زدہ غیاث قافلہ کے ساتھ خوش و ناخوش ہندوستان تک پہنچ گیا۔ اس زمانہ میں شہنشاہ اکبر کی علم دوستی اور مردم شناسی کا جا بجا چرچا تھا۔ فیض کے دربار جاری تھی۔ مصیبت زدہ مرزا غیاث ملک مسعود کے ساتھ ساتھ دربار تک پہنچا۔ اور داروغۂ محل مقرر ہو گیا۔ ادھر عصمت النساء بیگم حرم شاہی میں بیگموں کی تعلیم و تربیت کی خدمت پر مامور ہو گئی۔
نور جہاں کا ابتدائی نام مہرالنساء تھا اسی نام سے وہ شاہی محل میں پکاری جاتی تھی۔ جوان ہونے پر اس کی شادی عہد اکبر کے

مشہور شجاع سردار علی قلی خاں المخاطب بہ شیر افگن خاں سے کر دی گئی۔ مگر شیر افگن خاں چند روز میں دشمنوں کی سازش سے مارا گیا اور مہرالنساء بیوہ ہو گئی۔ 1611ء میں جہانگیر نے ایک مرتبہ مہرالنساء کو مینا بازار میں دیکھا اور اس پر عاشق ہو کر شادی کر لی۔ شادی کے وقت اس کی عمر 34 برس کی تھی مگر وہ اب بھی ویسی ہی خوبصورت تھی جیسی سولہ برس کی عمر والی ہو سکتی ہے۔ 1613ء میں سلطان سلیمہ بیگم کے انتقال پر وہ بادشاہ بیگم کے بلند مرتبہ پر فائز ہوئی اور محلات شاہی کی تمام عورتوں سے زیادہ اس کا اعزاز ہو گیا۔

وہ نہایت دانش مند، علم و فضل میں کامل اور اخلاق حسنہ میں مکمل انسان تھی۔ نفاست پسندی اس کی طبیعت کا جوہر تھی۔ اہل حاجت کی ضرورتیں پوری کرتی اور ہمیشہ سخاوت اور بذل و ایثار میں مصروف رہتی تھی۔ ایجاد و اختراع کا مادہ اس کے مزاج میں بے حد تھا۔ چنانچہ زنانہ لباس میں اس نے بہت تبدیلیاں کیں اور اسے انتہا سے زیادہ دل کش بنا دیا۔ گلاب کا عطر اسی نے ایجاد کیا تھا۔ تمیز و سلیقہ کا یہ عالم تھا کہ جہانگیر نے سلطنت کی باگ گویا اسی کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ اور وہ نہایت خوش انتظامی کے ساتھ اہم فرائض شاہی کو انجام دیتی تھی۔ 1627ء میں جب جہانگیر کا انتقال ہوا تو نور جہاں کو شاہی کاموں سے کوئی تعلق نہ رہا۔ وہ اسی غم میں گھلتی رہی۔ اگرچہ اس کے لئے بہت معقول پنشن پچیس لاکھ روپیہ سالانہ کی مقرر تھی۔ مگر غموں نے کسی طرح اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور 1645ء مطابق 1055 ھ میں بہتر برس کی عمر پا کر اس نے انتقال کیا۔

تحقیق کے ساتھ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس نے شاعری کب شروع کی، کس سے اصلاح لی۔ مگر یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ وہ ایک نازک خیال شاعرہ تھی۔ بذلہ سنجی اور حاضر جوابی میں فرد تھی۔ اس کے لطائف و ظرائف بہت سے مشہور و معروف ہیں۔ مگر ہم بہ لحاظ اختصار چند لکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ رمضان کا مہینہ ختم ہوا اور ہلال عید دکھائی دیا۔ نور جہاں اور جہانگیر بھی بالا خانہ شاہی پر اس دل خوش منظر کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ چاند دکھائی دیا۔ مے پرست بادشاہ جہانگیر نے خوش ہو کر بیگم کی طرف متوجہ ہو کر یہ مصرعہ پڑھا ؎

ہلال عید بر اوج فلک ہویدا شد

حاضر جواب بیگم نے فوراً یہ مصرع فی البدیہہ پڑھا ؎

کلید میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد۔

ایک مرتبہ جہانگیر کو ملتفت صحبت پا کر اور خود کو اس قابل نہ دیکھ کر یہ شعر سنایا۔

بہ قتل من اگر شاہا دلت خوشنود میگردد\
بجاں منت مگر تیغ تو خواں آلود میگردد

جب جہانگیر نے امور سلطنت کا اس کو مختار کل بنا دیا تو سکہ پر یہ شعر مسلوک کرایا۔

بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور\
بنام نور جہاں بادشاہ بیگم زر

ایک روز بیگم حمام کر رہی تھی۔ جہانگیر وہاں جا پہنچے اور چھیڑنے کے لئے یہ مصرعہ پڑھا۔

زیر دامان تو پنہاں چیست اے نازک بدن

بیگم نے جواب دیا ع

نقش سّمِ آہوئے چین است بر برگ سمن

ایک مرتبہ بادشاہ کے تکمہ جواہر کی تعریف میں یہ شعر کہا۔

ترا کہ تکمۂ لعل است بر لباس حریر\
شدہ است قطرہ خوں منت گریباں گیر

اگرچہ اس کا لطیف کلام بہت کچھ ہو گا۔ مگر اب جستہ جستہ تذکروں میں چند شعر ملتے ہیں۔ وہی درج کئے جاتے ہیں۔

شرارم شعلہ ام داغم کبابم جلوۂ نورم\
طپید نہائے برقم اضطرابم نبض رنجورم

عشقت چناں گداخت تنم را کہ آب شد
گردی کہ ماند سرمہ چشم حباب شد
کشاد غنچہ اگر از نسیم گلزارست
کلید قفل دل ما تبسم یاراست
نہ گل شناسد نے رنگ و بو نہ عارض و زلف
دل کسے کہ بحسن او گرفتار است
زاہدا ہول قیامت مفگن در دل ما
ہول ہجراں گر زاندیم و قیامت معلوم
نام تو بر دم و زدم آتش بجان خویش
در آتشم چو شمع زدست و زبان خویش
سلک مرواردی بر فرق سرش دانی کہ چیست
تشنگان شوق را جوئے است از آب حیات
تہِ زلف خالش بلائے نہاں است
مترس از بلا ہا کہ شب درمیاں است
ہمچشم ما براے نظر بازی تو شد
آئینہ را جلاے وطن می کنیم ما
ہنوز آں طفل خندیدن نہ داند
نگہ دزدیدن و دیدن نہ داند
ایں خانہ بر انداز کہ در خانہ زین است
معمار تمنائے من خاک نشین است
نیست فوارہ کہ بینی بسر آب رواں
آب از گرمیِ ایں فصل برآورد زباں
نمی آید بغیر از گریہ دیگر کار از چشمم
بلے از مردم بیدست و پا دیگر چہ می آید

ترجمہ 1۔ میں شرار ہوں، شعلہ ہوں، داغ ہوں، کباب ہوں، جلوہ ہوں، نور ہوں، بجلی کا تڑپنا ہوں، اضطراب ہوں، بیمار کی نبض ہوں۔
2۔ تیرے عشق نے ایسا پگھلایا کہ میرا جسم پانی ہو گیا۔ جو گرد کہ باقی رہی چشم حباب کا سرمہ بن گئی۔
3۔ اگر غنچہ نسیم گلزار سے کھلتا ہے تو میرے دل کی کنجی یار کا تبسم ہے۔
4۔ نہ گل کو پہچانتا ہے نہ رنگ و بو کو نہ عارض اور زلف کو۔ جس کسی کا دل کہ اس کے حسن میں گرفتار رہے۔
5۔ اے زاہد ہمارے دل میں قیامت کا خوف مت ڈال۔ ہم نے جدائی کی دہشت میں اپنا گزارہ کر لیا ہے۔ قیامت تو اپنی جگہ ہے۔
6۔ میں نے تیرا نام لیا اور اپنی جان میں آگ لگا لی۔ میں اپنے ہاتھ اور زبان سے آگ میں پڑا ہوں۔
7۔ اس کے سر پر مروارید کی لڑی کو جانتا ہے کہ کیا چیز ہے۔ شوق کے پیاسوں کو ایک آب حیات کی ندی ہے۔
8۔ اس کی زلف کے نیچے اس کا خال ایک بلائے پنہاں ہے۔ بلاؤں سے مت ڈر کہ رات درمیان ہے۔
9۔ آئینہ نے تیری نظر بازی میں ہمارا مقابلہ کیا ہے۔ اس لئے ہم اس کو جلا وطن کرتے ہیں۔
10۔ ابھی وہ بچہ ہے ہنسنا نہیں جانتا۔ نگاہ چرانا اور دیکھنا اس کو نہیں آتا۔
11۔ یہ ظالم جو گھوڑے سوار زین میں بیٹھا ہوا نظر آتا ہے۔ ہماری تمام تمناؤں کا بانی ہے۔
12۔ یہ جو پانی کے اوپر تو دیکھتا ہے۔ یہ فوارہ نہیں ہے۔ پانی نے اس فصل کی گرمی کی وجہ سے زبان نکال دی ہے۔
13۔ میری آنکھوں سے رونے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ سچ تو ہے بے دست و پا آدمی سے اور کیا ہو سکتا ہے۔
نور جہاں کی قبر لاہور میں ہے جس کے اوپر کتبہ میں یہ شعر لکھا ہوا ہے۔
برمزار ما غریباں نے چراغے نے گلے
نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

نہانیؔ
اصفہان کی رہنے والی تھی۔ سلطان حسین مرزا کی بیگم کی خدمت میں آتونی کی خدمت انجام دیتی تھی۔ نہایت خوش گو تھی۔
اب ایک شعر یادگار ہے۔
از ہر دو طرف در طلبم زلف نگار است
در مذہبِ ما سبحۂ و زنار نبا شد
ترجمہ۔ دونوں طرف سے میری طلب میں معشوق کی زلف ہے۔ ہمارے مذہب میں تسبیح اور زنار یکساں ہے۔

نہانیؔ
اکبر آباد کی رہنے والی تھی۔ شہنشاہ جلال الدین کے عہد میں زندہ تھی اور اس کا بیٹا کشمیر میں میر بحر کی خدمت انجام دیتا تھا۔ نمونہ کلام۔
روز غم شب درد بے آرام پیدا کردہ ام
درد مندی ہا دریں ایام پیدا کردہ ام

ترجمہ۔ دن کو غم اور رات کو درد بے آرام میں نے پیدا کر لیا ہے۔ اس زمانہ میں میں نہایت درد مند ہوں۔
نہانی
قائن کی رہنے والی ایک شوخ طبع خوش خیال شاعرہ کا تخلص ہے۔
ہمچو من بر رخ خوباں نظر پاک انداز
ہر کجا دیدۂ آلودہ بود خاک انداز

ترجمہ۔ میری طرح معشوقوں کے رخسار پر پاک نظر ڈال۔ جہاں کہیں آلودہ عصیاں نگاہ ہو اس پر خاک ڈال۔
نہانیؔ
کرماں کی رہنے والی خواجہ افضل کرمانی کی بہن تھی۔ جو کہ سلطان حسین مرزا کے دربار میں دیوان بیگی کی خدمت انجام دیتا تھا۔ نہایت اچھے شعر کہتی تھی۔
اگرچہ مہر بتقدیر لا یزال بر آید
بماہ من نرسد گر ہزار سال آید

وا ے بر شاعران نادیدہ
کہ ندارند نور در دیدہ
قد خوباں بسر و میخوانند
رخ ایشاں بماہ تابیدہ
ماہ قرصی است نا تمام عیار
سر و چو بے است نا تراشیدہ

ترجمہ 1۔ اگرچہ سورج خدا کے حکم سے طلوع کرتا ہے مگر میرے چاند کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر ہزار سال نکلے۔
2۔ شاعران نادیدہ پر افسوس ہے۔ ان کے دیدے پھوٹ گئے ہیں۔ معشوقوں کے قد کو سرو کہتے ہیں۔ اور ان کے رخسار کو چاند۔ یہ نہیں جانتے کہ چاند ایک قرص ہے کھوٹا اور سرو ایک نا تراشیدہ لکڑی ہے۔

نہانیؔ
شیراز کی رہنے والی تھی۔ نہایت عمدہ شعر کہتی تھی۔ مفصل حال معلوم نہ ہو سکا۔
قدم بخانۂ چشمم بنہ کہ جا اینجاست
رواق منظر خوباں خوش لقا اینجاست
شدم دیوانہ تا در خواب دیدم آں پری رو را
چہ باشد حال گر بیند بہ بیداری کسے اور ا

ترجمہ 1۔ میری آنکھوں میں قدم رکھ کہ جگہ اسی جگہ ہے۔ خوب خوش لقا کا اوراق منظر یہیں ہے۔
2۔ میں دیوانہ ہو گیا جب سے کہ اس پری رو کو خواب میں دیکھا ہے۔ کیا حال ہو اگر اس کو کوئی جاگتے میں دیکھ لے۔

نہانیؔ

حرم بیگم والدہ شاہ سلیمان کی مصاحب اور ہم نشیں تھی۔ اس کا باپ شاہ سلیمان کے زمانہ کے امرائے نامی میں تھا۔ چونکہ نہانی نہایت حسین اور خوبرو تھی اور اس کے حسن و جمال کا شہرہ جا بجا ہو چکا تھا۔ اس وجہ سے جا بجا سے اس کی خواستگاری کے لئے رقعے آتے تھے۔ اور اونچے اونچے گھرانوں میں اس کی منگنی کی تمنا کی جاتی تھی۔ مگر نہانی نے عجب انداز اختیار کیا تھا۔ ایک رباعی کہی تھی۔ اور مشتہر کر کے یہ اعلان کر دیا تھا کہ جو کوئی اس کا جواب لکھے گا اسی سے شادی کر لوں گی۔ مگر کوئی اس کا جواب نہ لکھ سکا۔ رباعی یہ ہے۔

از مرد برہنہ روے زر می طلبم
از خانۂ عنکبوت پر می طلبم
من از دہن مار شکر می طلبم
و زپشۂ مادہ شیر نر می طلبم

ترجمہ 1۔ مرد برہنہ سے میں زر طلب کرتی ہوں۔ اور مکڑی کے جالے سے پر مانگتی ہوں۔
2۔ سانپ کے منہ سے شکر مانگتی ہوں اور پشہ مادہ سے شیر نر طلب کرتی ہوں۔

سنا ہے کہ سعد اللہ خاں وزیر شاہجہاں بادشاہ نے اس کا جواب دیا۔ بعد کو نہیں معلوم کہ کیا نتیجہ ہوا۔ سعدہ اللہ خاں کی رباعی یہ ہے۔

علم است برہنہ رو کہ تحصیل زر است
تن خانہ عنکبوت و دل بال و پر است
زہر است جفای علم و معنی شکر است
ہر پشہ از وحشید آں شیر نر است

اسی بنا پر مصنف اختر تاباں نے اس کو دہلی کی رہنے والی بتایا ہے۔ غالباً یہ صحیح نہیں ہے۔ مصنف مراۃ الخیال نے اس کے مولد و مسکن کے متعلق کوئی ذکر نہیں کیا۔ اس کی شاعری کا انداز بیان یہ ہے۔

در مذہب ما تو بہ زمیخانہ حرام است
زہد و ورع و سبحہ صد دانہ حرام است
بابادہ فروشان غم ایام حرام است
بادود کشاں دولت بہرام حرام است
فرض است بہ عاشق کہ نبوشد مئے تجرید
بازاہد خود بیں مئے گلفام حرام است
رنداں نظر بجلوۂ دنیا نمی کنند
جز آرزوئے ساغر و صہبا نمی کنند

ترجمہ 1۔ ہمارے مذہب میں میخانہ سے توبہ کرنا حرام ہے۔ زہد اور پرہیز گاری اور سو دانوں کی تسبیح حرام ہے۔
2۔ شراب بیچنے والوں کے لئے زمانہ کا غم حرام ہے۔ تلچھٹ پینے والوں کے لئے دولت بہرام کی ضرورت نہیں ہے۔
3۔ عاشق کے لئے فرض ہے کہ تجرید کی شراب پئے۔ زاہد خود بیں کے لئے مئے گلفام حرام ہے۔
4۔ رند جلوۂ دنیا پر نظر نہیں ڈالتے سوائے شراب و ساغر کی آرزو کے ان کو اور کوئی آرزو نہیں ہوتی۔

***

ردیف واؤ

وزیرؔ
تخلص تھا اور وزیر النساء بیگم نام تھا۔ دہلی کی رہنے والی تھی۔ محمد اکبر خاں متخلص بہ خاور سیستانی کی اہلیہ تھی۔ شوہر کے فیضِ صحبت نے شاعر بنا دیا تھامرزا غالب سے اصلاح لیتی تھی۔ ایک شعر اس کا ملتا ہے۔
دلم از کوچۂ آں زلف دو تا باز آمد
رفتہ بود انچہ زما باز بما باز آمد
ترجمہ۔ میرا دل کوچۂ زلف دوتا سے واپس آ گیا۔ جو چیز ہمارے پاس سے گئی تھی پھر ہم کو واپس مل گئی۔
(مزید کلام شاید بعد میں دستیاب ہوا تھا جو کتاب کے آخر میں شامل کیا گیا تھا، لیکن مناسب ہے کہ اس کی ذیل میں ہپی درج کیا جائے۔ مرتب: ا۔ع)

مرا عہدیست با جاناں کہ تا جاں در بدن دارم
سر کویشز در اشک خود رشک عدن دارم
خیال آں قدر رعنائی زیر پیرہن دارم
چو فانوس آتش سوزاں درون جان و تن دارم
بہار و مطرب و ساقی و یار و ابرا زہر سو
کدا حافظ من اے یاراں دل پیماں شکن دارم
تو اے صیاد بر بستی اگر بال و پرم باری
زبانم دہ کہ پیغامے بہ مرغان چمن دارم
بصحرا روح مجنوں می طپید از انتظار من
جنونم خوش کہ من دل بسگتی ہا با وطن دارم
غبار راہ جاناں سرمۂ چشم من آوردی
صبا صد منت پایت بجان خویشتن دارم
وزیرمؔ گرچہ در گنج تواری بودہ ام لیکن
سمند طبع جولاں گر بمیدان سخن دارم

ترجمہ 1۔ معشوق سے میرا ایک عہد ہے یہ کہ جب تک جسم میں جان رہی اس کی گلی کو اپنے آنسوؤں سے رشک عدن رکھوں گا۔
2۔ اس قدر رعنا کا خیال میرے دل میں چھپا ہوا ہے۔ فانوس کی طرح آگ جلانے والی۔ میری جان و تن میں موجود ہے۔
3۔ بہار ہی مطرب ہے، ساقی ہے، یار ہے اور ہر طرف گھٹا چھائی ہے۔ اے یارو رخصت۔ میرے پاس ایک پیماں شکن دل ہے۔
4۔ تو نے اے صیاد اگر میرے بال و پر باندھے ہیں تو زباں مجھ کو بخش دے کہ مرغان چمن کو ایک پیغام بھیج دوں
(5) جنگل میں مجنوں کی میرے انتظار میں تڑپ رہی تھی۔ میرا جنون اچھا کہ دلچسپی وطن سے رکھتا ہوں
(6) راہ جاناں کا غبار میری آنکھوں کے لئے تو سرمہ لائی ہے۔ اے صبا سو احسان تیری پاؤں کے میری جان پر ہیں
(7) میں وزیر ہوں اگرچہ گوشہ گمنامی میں رہی ہوں۔ مگر طبع چالاک کا گھوڑا میدان سخن میں کداتی ہوں۔

***

ردیف ہائے ہوز

ہماؔ
افراسیاب بیگ خاں ترک کی لڑکی تھی۔ ایرانی النسل تھی۔ نہایت حسین مہ جبین تھی۔ چنگ خوب بجاتی تھی۔ ایک شعر اس سے یادگار ہے۔

زخونم چہرہ قاتل پر افشاں وقت زبحم شد
رخش یک سادہ قرآں بود از خونم مترجم شد

ترجمہ۔ میرے خون سے ذبح کے وقت میرے قاتل کا چہرہ پر افشاں ہو گیا۔ اس کا رخسارہ ایک سادہ قرآن تھا میرے خون سے مترجم ہو گیا۔

ہمدمیؔ

تخلص تھا۔ شریفہ بانو نام تھا۔ نہایت عفیفہ سیدانی تھی۔ جرجان کی رہنے والی تھی۔ خوب بلکہ بہت خوب شعر کہتی تھی۔ یہ غزل اسی کی ہے۔

من سوختۂ لالہ رخانم چہ تواں کرد
والہ شدۂ سبز خطانم چہ تواں کرد
صد تیر بلا و ستم و جور رسیدہ
زاں ناوک دلدوز بجانم چہ تواں کرد
مجنوں صفت از عشق بتاں زار و نزارم
دیوانہ لیلٰے صفتانم چہ تواں کرد
جز نام تو ام ہر نفسے ذکر دگر نیست
نامت شدہ چوں ورد زبانم چہ تواں کرد
اے ہمدمیؔ از جور رقیبان ستمگار
بر عرش بریں رفت فغانم چہ تواں کرد
جامہ گلگونی در آمد مست در کاشانہ ام
خیز اے ہمدم کہ افتاد آتشے در خانہ ام

ترجمہ 1۔ میں لالہ رخوں کا جلایا ہوا ہوں کیا کروں۔ سبز خطوں کا عاشق ہوں کیا کروں۔
2۔ ظلم اور جور کے سو تیر بلا مجھ پر لگے ہیں۔ اس کے تیر دلدوز سے عاجز آ گیا ہوں کیا کروں۔
3۔ مجنوں کی طرح معشوقوں کے عشق سے زار و نزار ہوں۔ لیلے ' ادا معشوقوں کا دیوانہ ہوں کیا کروں۔
4۔ تیرے نام کے سوائے ہر نفس میرے لئے کوئی دوسرا ذکر نہیں تیرا نام میرے ورد زباں ہو گیا ہے کیا کروں۔
5۔ اے ہمدمیؔ ظالم رقیبوں کے ظلم سے میرا شور اور فریاد عرش بریں پر گیا ہے کیا کروں۔
6۔ ایک سرخ پوش معشوق یکا یک میرے گھر میں آ گیا۔ اے ہم نشیں دوڑ کہ میرے گھر میں آگ لگ گئی۔

***

ردیف یاء

یاسمن بو

مرزا عسکری دامغانی کی معاصر تھی۔ اس کا شوہر ایران سے ہندوستان چلا آیا تھا اور یہیں گلبرگہ دکن میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد یاسمن بو کسی بادشاہ کے حرم میں ملازم ہوئی اور دہلی چلی آئی۔ عمر بھی عزت اور حشمت سے رہی۔ نہایت خوشنویس تھی۔ خط ثلث، خط شفیعا، خط نستعلیق میں ماہر کامل تھی۔ طبیعت نہایت شوخ پائی تھی۔ نمونہ کلام کے لئے چند شعر لکھے جاتے ہیں۔ جو اس کی شوخ طبعی کے شاہد عادل ہیں۔

ایں قدر ریش چہ معنی دارد
صورت میش چہ معنی دارد
یک نخود کلۂ و نہ من دستار
ایں کم و بیش چہ معنی دارد
کشتن و زندہ نمودن ما را

اے ستم کیش چہ معنی دارد
در رہ مہر و جفا اے ظالم
ایں پس و پیش چہ معنی دارد

ترجمہ 1۔ اس قدر داڑھی کے آخر کیا معنی۔ بکرے کی صورت بنانے سے کیا نتیجہ۔
2۔ ایک چنے کی برابر منہ اور نو من پگڑ اس کمی اور بیشی سے کیا مراد ہے۔
3۔ ہم کو مارنا اور جلانا اے ظالم یہ حرکتیں آخر کس لئے۔
4۔ محبت اور ظلم کے راستہ میں اے ظالم اس پس و پیش سے کیا مطلب ہے۔
***

تدوین اور ای بک کی تشکیل: محب علوی، اعجاز عبید